محی الدین نواب

قسط نمبر 1

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

چلتے چلتے انسان کے کل پرزے ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی بنائی ہوئی مشین کے پرزے کیسے پائیدار رہ سکتے ہیں؟

اعظم خان کی عمر رسیدہ گاڑی چلتے چلتے جھٹکے کھانے لگی۔ ستارہ بیگم نے آگے پیچھے جھٹکے کھاتے ہوئے کہا۔ "توبہ ہے یہ گاڑی تو جھنجوڑ ڈالتی ہے۔ کھایا پیا سب ہضم کر دیتی ہے۔"

وہ گاڑی کو آگے بڑھانے کے داؤ پیچ آزماتے ہوئے بولا۔ "یہ ابھی چلے گی۔ ذرا نخرے دکھا رہی ہے۔"

"یہ دس برسوں سے نخرے دکھا رہی ہے۔ نہ آپ دوسری لیتے ہیں، نہ اسے چھوڑتے ہیں۔ اسے بیچ کیوں نہیں دیتے؟"

"کیا چیز پرانی ہو جائے تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے؟"

"پرانی ہو اور دردِ سر بن رہی ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔"

"تم اس گاڑی سے زیادہ پرانی ہو۔"

ستارہ بیگم نے گھور کر دیکھا۔ وہ بولا۔ "مائنڈ نہ کرنا۔ عورت بوڑھی ہونے کے بعد صرف بزرگ بن کر آثار قدیمہ بن کر گھر میں رہتی ہے۔"

"تو پھر مجھے بھی چھوڑ دیں۔"

"میں قدر کرتا ہوں، تم نے جوانی میں خوب ساتھ دیا ہے۔ یہ گاڑی بھی ساتھ دیتی رہی ہے۔ میں تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ باہر نکل کر بونٹ اٹھا کر خرابی ڈھونڈنے لگا۔ وہ کوئی مکینک نہیں تھا۔ مگر کبھی معمولی خرابی ہوتی تھی تو اسے دور کر دیتا تھا۔ اس نے کہا۔ "اسے پہنچانا ہوگا۔"

ستارہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولی۔ "کیا اسے گیراج تک دھکے لگاتے جائیں گے؟"

وہ فون پر نمبر پنچ کرتے ہوئے بولا۔ "خاموش رہو۔"

اس نے رابطہ ہونے پر کہا۔ "ہم خان اعظم خان بول رہے ہیں۔ گورا قبرستان کے سگنل کے پاس گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ اپنے کاریگر کو فوراً بھیجو۔ ہماری بیگم دھوپ میں پریشان ہو رہی ہیں۔"

اس نے دوسری طرف کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "کوئی بڑی خرابی نہیں ہے۔ کاریگر کا ہاتھ لگتے ہی چل پڑے گی۔ اسے فوراً بھیجو۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ ستارہ بیگم نے کہا۔ "یہ ہر دوسرے تیسرے دن پریشان کرتی رہتی ہے۔"

وہ آگے کچھ نہ بولی۔ جانتی تھی ایک کہے گی تو دس سنے گی۔ آخر بیوی تھی، اپنے میاں کے مزاج کو خوب سمجھتی تھی۔ وہ خود کو اپنی حیثیت سے بہت اونچا رکھنے کی کوششیں کرتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ دوسروں کو کسی طرح اپنے سے کمتر کرے تاکہ وہ برتر تسلیم کیا جائے۔

ایک مکینک دو چھوکروں کے ساتھ آ گیا۔ اس نے گاڑی کو چیک کرنے کے بعد کہا۔ "اسے گیراج لے جانا پڑے گا۔ آپ رکشہ ٹیکسی میں چلے جائیں۔ ہم اسے لے جائیں گے۔"

اعظم خان نے کہا۔ "آؤ بیگم... ادھر آگے ٹیکسی مل جائے گی۔"

وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔ "کبھی گاڑی کو دھکے لگواتے ہیں، کبھی گیراج میں چھوڑ کر پیدل جاتے ہیں۔ اب تو میں کبھی اس گاڑی میں نہیں بیٹھوں گی۔"

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ ایک جوان لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی۔ "ٹیکسی....."

اعظم خان نے بھی پلٹ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے پکارا۔ "ٹیکسی...."

وہ ان کے قریب آ کر رک گئی۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ اعظم خان نے اسے للکارا۔ "اے لڑکی! رک جاؤ... یہ ٹیکسی ہم نے رکوائی ہے۔"

وہ بولی۔ "میرا نام لڑکی نہیں ہے، مائلہ ہے۔ اور ٹیکسی رکوانے کے سلسلے میں آپ ڈرائیور سے پوچھ لیں، پہلے میں نے آواز دی تھی۔"

وہ بولا۔ "ہم نے آواز دی تھی۔ ہم سے بحث نہ کرنا۔ تم نہیں جانتیں، ہم کون ہیں؟"

"میں جاننا بھی نہیں چاہوں گی کہ آپ کون ہیں؟ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

اس نے غصے سے کہا۔ "تم ہماری انسلٹ کر رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم خان اعظم خان ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری افسران ہمیں سلام کرتے ہیں۔ ہماری تیس لاکھ کی ہنڈا اکارڈ گیراج میں ہے۔ اس لئے مجبوراً اس ٹیکسی میں بیٹھنے آئے ہیں۔"

مائلہ نے کہا۔ "میری اسّی لاکھ کی رولس رائس ایک ملازم چلا رہا ہے۔ اس لئے میں بھی مجبوراً ٹیکسی میں جا رہی ہوں۔"

"اے! تم ہمارا مذاق اڑا رہی ہو۔"

مائلہ نے ڈرائیور سے پوچھا۔ "تم بولو۔ پہلے کس نے تمہیں آواز دی تھی؟"

وہ بولا۔ "جھگڑا نہ کریں۔ آپ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ جائیں۔ یہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائیں گے۔"

"میں کسی نامحرم کے ساتھ نہیں بیٹھوں گی۔ اس شہر میں ہزاروں ٹیکسیاں ہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔"

پھر وہ اعظم خان سے بولی۔ "بہت ہی رعب اور دبدبے والا نام ہے۔ خان اعظم خان..."

وہ فخر سے مسکرایا۔ وہ بولی۔ "جائیں۔ یہ ٹیکسی میں آپ کو خیرات کر رہی ہوں۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

ستارہ بیگم نے میاں کا بازو تھام کر کہا۔ "اس لڑکی کے منہ نہ لگیں۔ یہ بدتمیز ہے۔ چلیں بیٹھیں۔"

مائلہ ٹیکسی سے دور ہو گئی۔ وہ بیگم کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اس کی اوقات کیا ہے جو یہ ٹیکسی خیرات میں دے گی؟ کیا یہ اس کے باپ کی ہے؟ اگر یہ لڑکی نہ ہوتی تو میرا ہاتھ اٹھ جاتا۔"

مائلہ دور کھڑی سن رہی تھی۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر وہاں سے جانے لگی۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ وہ دوپٹے کے آنچل سے چہرے اور گردن کا پسینہ خشک کر رہی تھی۔ سامنے تیزی سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ایک آدھ خالی ٹیکسیاں دکھائی دیں۔ لیکن ہاتھ ہلا کر آوازیں دینے کے باوجود وہ نہیں رکیں، تیزی سے گزر گئیں۔

پھر ایک بائیک آ کر اس کے قریب رک گئی۔ مائلہ نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ اس نے سر سے ہیلمٹ اتارا تو وہ حیرانی سے بولی۔ "جاذب! آپ...؟ آپ ادھر کیسے...؟"

وہ بولا۔ "خوشبو کا پیغام آیا کہ پھول کو دھوپ لگ رہی ہے۔ بس بندہ چلا آیا..."

پھر وہ ہیلمٹ پہنتے ہوئے بولا۔ "چلو بیٹھو... راستے میں باتیں ہوں گی۔"

وہ پیچھے بیٹھ گئی۔

بائیک چل پڑی۔ تیز رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے گاڑیوں کے درمیان سے گزرنے لگی۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد تمام گاڑیوں کی رفتار سست ہونے لگی۔ آگے سرخ سگنل تھا۔ گاڑیاں رک رہی تھیں۔ وہ ان کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا سگنل کے قریب جا رہا تھا۔ تاکہ سگنل سبز ہوتے ہی سب سے آگے نکل جائے۔

وہ ایک جگہ رک گیا۔ ان کے دائیں بائیں، آگے پیچھے بے شمار گاڑیاں رکی ہوئی تھیں۔ دائیں طرف وہی ٹیکسی تھی۔ اعظم خان نے چونک کر دیکھا۔ مائلہ کسی جوان کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ نظریں ملتے ہی مائلہ نے ناگواری سے منہ بنایا۔

اعظم خان نے بیگم سے کہا۔ "یہ لڑکی ہمارے برابر آ گئی ہے۔ اب ہم سے آگے جانے والی ہے۔"

ستارہ بیگم نے ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ وہی لڑکی ہے۔ ابھی تو پیدل تھی۔ اب بائیک والے کے ساتھ جا رہی ہے۔"

"ارے! ان لڑکیوں کو کوئی بھی لفٹ دینے والا مل جائے یہ اس کے ساتھ چل پڑتی ہیں۔ ماں باپ دیکھتے نہیں، آتے کہ گھر سے باہر آ کر کیا گل کھلاتی رہتی ہیں؟"

"لعنت ہے ایسی لڑکیوں پر... اچھا ہی ہے کہ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے۔"

اعظم خان نے ڈرائیور سے کہا۔ "دیکھو! یہ جو بائیک والا بائیں طرف ہے۔ اسے آگے نکلنے نہ دینا۔"

ستارہ نے کہا۔ "کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں؟ وہ اپنے راستے جا رہی ہے۔ جانے دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اپنے راستے جائے۔ مگر ہمارے راستے پر ہم سے آگے نہ جائے۔ اس نے طعنہ دیا تھا کہ ٹیکسی ہمیں خیرات کر رہی ہے۔ آگے جا کر پھر کوئی طعنہ دے گی۔"

ڈرائیور نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ میں بائیک والے کو آگے بڑھنے نہیں دوں گا۔"

سرخ سگنل سبز ہو گیا۔ تمام گاڑیاں ایک ساتھ یوں تیزی سے بڑھیں، جیسے ٹرافی جیتنے کے لئے ریس لگا رہی ہوں۔ ٹیکسی ڈرائیور رفتار بڑھا کر آگے نکل گیا۔ بائیک والے کچھ پیچھے رہ گئے۔ ستارہ بیگم اور اعظم خان نے خوش ہو کر گھوم کر پیچھے دیکھا۔ اعظم نے ڈرائیور سے کہا۔ "وہ اسپیڈ بڑھا رہا ہے۔ خبردار! اسے آگے جانے نہ دینا۔"

ڈرائیور نے کہا۔ "میں نے ماں کا دودھ پیا ہے۔ اس کا تو باپ بھی آگے نہیں جا سکے گا۔"

ستارہ بیگم نے میاں کے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "اے جی! یہ تو ہمارا بیٹا ہے۔ یہ موٹر سائیکل بھی ہماری ہے۔"

اس نے سر گھما کر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کون سا بیٹا ہے؟"

"یہ جاذب ہے۔ شاہ زیب تو کالج گیا ہے۔ آپ عینک تو لگا لیں۔"

وہ جیب سے عینک نکالتے ہوئے بولا۔ "کیا مصیبت ہے؟ عینک لگانے سے لوگ بوڑھا سمجھنے لگتے ہیں۔"

"خدا کا واسطہ ہے۔ بیٹے کو پہچاننے کے لئے بوڑھے بن جائیں۔"

اس نے عینک لگا کر غور سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "ہیلمٹ پہنے ہوئے ہے۔ صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔"

پھر وہ چونک کر بولا۔ "ہاں۔ گاڑی کا نمبر وہی ہے۔ یہ ہماری بائیک ہے اور اسے چلانے والا ہمارا بیٹا ہی ہوگا۔"

ستارہ بیگم نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر مارتے ہوئے کہا۔ "ہائے میں کیا کروں؟ اس لڑکی نے میرے جاذب کو پھانس لیا ہے۔ بھلا پھسلا کر نہ جانے کہاں لے جا رہی ہے؟"

"وہ پیچھے بیٹھی ہے۔ اسے کہاں لے جائے گی؟ ہمارا بیٹا بائیک چلا رہا ہے۔ وہ اسے لے جا رہا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ انہیں روکیں۔"

اس نے پیچھے بائیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈرائیور کو حکم دیا۔ "گاڑی روکو..."

اس نے ٹیکسی کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ ایسے وقت جاذب کی بائیک ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے جانے لگی۔ اعظم خان نے چیخ کر آواز دی۔ "جاذب! گاڑی روکو..."

ستارہ نے کہا۔ "آپ جلدی میں کیا بول رہے ہیں؟ سیدھی طرح بولیں، جاذب گاڑی روکو۔"

اس نے بولنے کے لئے کھڑکی سے باہر سر نکالا۔ بیٹے کی بائیک آگے نکل گئی تھی۔ اس نے آواز بھی دی۔ مگر ٹریفک کے شور میں اس کی آواز بیٹے تک پہنچ نہ سکی۔ وہ ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے غصے سے بولا۔ "ہم نے بیٹے کو روکنے کے لئے کہا تھا، تم نے ٹیکسی روک دی۔ وہ آگے جا رہے ہیں۔ انہیں پکڑو۔"

وہ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بیٹے کو روکنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ آپ نے کہا تھا گاڑی روکو... میں نے روک دی۔"

"اچھا زیادہ منہ نہ بولو۔ وہ آگے نکل گئے ہیں، ان کا راستہ روکو۔"

وہ رفتار بڑھاتے ہوئے بولا۔ "فکر نہ کریں۔ میں نے ماں کا دودھ پیا ہے۔"

"دودھ پیا ہے تو کچھ کر کے دکھاؤ۔"

"یہ لیں۔ ابھی دکھاتا ہوں۔"

اس نے رفتار اور بڑھائی۔ ستارہ بیگم نے گھبرا کر کہا۔ "یا اللہ! یہ تو ہمیں اوپر لے جائے گا۔"

ڈرائیور نے کہا۔ "اوپر میری ماں ہے اور میں نے ماں کا دودھ پیا ہے۔"

"ارے تو کیا ہمیں بھی پلاؤ گے؟ گاڑی کو ہوا میں نہ اڑاؤ۔"

"وہ دیکھیں! وہ دور آپ کا بیٹا نظر آ رہا ہے۔ اسے پولیس والوں نے روک لیا ہے۔"

ستارہ بیگم اور اعظم خان خوش ہو گئے۔ اعظم نے کہا۔ "کیا اسی دن کے لئے اسے بائیک دلائی تھی کہ وہ لڑکیوں کو ساتھ بیٹھا کر گھومتا پھرے؟ میں اس سے بائیک چھین لوں گا۔"

"آپ میرے بیٹے سے کچھ نہیں بولیں گے۔ اس منہ زور لڑکی کو دھکے دے کر بائیک سے نیچے گرا دیں گے۔"

وہ بیٹے کے قریب پہنچ رہے تھے۔ ایسے ہی وقت وہ بائیک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔ پولیس والوں نے ٹیکسی کو روک لیا۔

ستارہ نے کہا۔ "یہ ہماری گاڑی کیوں روک رہے ہیں؟ وہ آگے نکل رہا ہے۔"

ایک سپاہی ڈرائیور سے گاڑی کے کاغذات طلب کر رہا تھا۔ ڈرائیور ٹیکسی سے باہر جا کر پولیس افسر کی خوشامدیں کرنے لگا۔ اس کے پاس مکمل کاغذات نہیں تھے۔

اعظم خان نے کہا۔ "کیا مصیبت ہے؟ وہ آگے نکل گیا ہے۔ نظر نہیں آ رہا ہے۔ پولیس والے پیچھا چھوڑیں گے تب تک وہ نہ جانے کدھر چلا جائے گا؟"

ستارہ نے کہا۔ "غصے میں آپ کی عقل کام نہیں کرتی ہے۔ اتنی دیر سے بیٹے کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ فون کر کے اسے روک لیں۔"

اس نے چونک کر موبائل فون نکالا۔ پھر نمبر پنچ کرتے ہوئے کہا۔ "واقعی۔ دماغ میں یہ بات نہیں آئی۔ ورنہ ایک کال کرتا تو اس کے باپ کو بھی رکنا پڑتا۔"

"باپ تو آپ کا ہوا ہے۔ آپ بیٹے سے بات کریں۔"

اس نے بیگم کو گھور کر دیکھا۔ فون کے ذریعہ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔ پھر ریکارڈنگ سنائی دی کہ مطلوبہ نمبر سے فی الحال رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ کچھ دیر بعد ٹرائی کریں۔

اس نے جھنجلا کر فون بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "پتہ نہیں آپ کا بیٹا کس طرف گیا ہے؟ آپ بتائیں کہاں جانا ہے؟"

ستارہ بیگم نے کہا۔ "گلستانِ جوہر چلو۔"

جاذب نے گاڑی چلانے کے دوران فون نکال کر باپ کا نام پڑھا تھا۔ مگر اسے اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ اس کے ڈیڈی لمبی باتیں کریں گے۔ ان کے ساتھ اطمینان سے ہی باتیں ہو سکتی تھیں۔

مائلہ نے کلفٹن پہنچ کر کہا۔ "مجھے سمندر کی ہوا کھلانے لائے ہو۔ ادھر عینی بھابھی میرے لئے پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

وہ بولا۔ "وہ تو تمہاری رازدار ہیں۔ بھابھی بھی ہیں اور سہیلی بھی۔ انہیں کال کر لو۔ ان کی تسلی ہو جائے گی۔"

وہ فون ملانے لگی۔ ایسے وقت جاذب کے فون کی کالنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "یہ ڈیڈی بار بار کال کیوں کر رہے ہیں؟"

اس نے مائلہ سے دور جاتے ہوئے فون کو کان سے لگا کر کہا۔ "یس ڈیڈی...؟"

اعظم خان نے غصے سے پوچھا۔ "فون کیوں ریسیو نہیں کر رہے تھے؟ خبردار! کوئی بہانہ نہ کرنا۔ میں نے تمہیں اس بدتمیز منہ زور لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔"

جاذب نے پریشان ہو کر دور مائلہ کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "ہیلو ہیلو ڈیڈی...! آپ کی آواز کٹ رہی ہے۔ آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

وہ بولا۔ "تم ہیلمٹ میں منہ چھپا کر سمجھتے ہو، میری نظریں کمزور ہیں، تمہیں پہچان نہیں سکوں گا؟ میں نے تمہاری بائیک سے تمہیں پہچانا ہے۔"

وہ اور پریشان ہو گیا۔ مائلہ سے مزید دور آ کر بولا۔ "ہیلمٹ؟ بائیک؟ آواز پھر کٹ رہی ہے۔ سگنل کمزور ہیں۔ پھر بھی میں سمجھ گیا۔ آپ نے میری بائیک پر کسی لڑکی کو دیکھا ہے۔"

"ہاں۔ اور میں حکم دیتا ہوں۔ اس لڑکی کو دھکا دے کر نیچے گرا دو۔"

"ڈیڈ! میں اسے دھکا نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ میری بائیک پر ہوگی۔ مگر میں وہاں نہیں ہوں۔ اپنے آفس میں ہوں۔ میرا ایک دوست مجھ سے بائیک لے کر گیا ہے۔ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"کیا...؟" اس نے حیرانی سے ستارہ بیگم کو دیکھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

وہ بولا۔ "جہاں ہمارا بیٹا ہے وہاں وہ لڑکی نہیں ہے۔ یعنی کہ اس لڑکی کے ساتھ ہمارا بیٹا نہیں ہے۔"

"کیا گھما پھرا کر بول رہے ہیں؟ آخر ہمارا بیٹا کہاں ہے؟"

"وہ آفس میں ہے۔ ہم نے بائیک پر جسے دیکھا ہے، وہ جاذب کا کوئی دوست ہے۔"

"توبہ ہے۔ ہم خواہ مخواہ اتنی دیر سے کسی دوسرے لڑکے کا پیچھا کر رہے تھے۔"

"ہم اپنی بائیک کا پیچھا کر رہے تھے۔ وہ لڑکی ہماری بائیک پر کیوں بیٹھی ہے؟"

ستارہ نے کہا۔ "پتہ نہیں کب تک بیٹھی رہے گی؟ آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"مجھے غصہ آ رہا ہے۔ ہم ٹیکسی میں ہیں اور وہ ہماری گاڑی پر مفت جا رہی ہے۔ کیا نام بتایا تھا اس لڑکی نے...؟"

"مائلہ... نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟ کیا اس کے خلاف ایف آئی آر درج کرائیں گے؟"

"وہ ہماری گاڑی لے گئی ہے۔"

"جاذب کا دوست لے گیا ہے۔"

فون آن تھا۔ جاذب ان کی باتیں سن رہا تھا۔ مائلہ قریب آئی تو اس نے فون بند کر کے پوچھا۔ "میری ممی اور ڈیڈی تمہارا نام کیسے جانتے ہیں؟"

وہ تعجب سے بولی۔ "میرا نام جانتے ہیں؟ میں نے کبھی انہیں دیکھا نہیں ہے۔ پھر وہ مجھے کیسے جانتے ہوں گے؟"

"انہوں نے میرے ساتھ تمہیں بائیک پر دیکھا ہے۔"

"وہ کہاں ہیں؟ ابھی راستے میں کہیں دیکھا ہوگا۔"

"وہ ممی کے ساتھ ٹیکسی میں ہیں۔"

مائلہ نے چشم تصور میں اعظم خان کو ٹیکسی میں دیکھا۔ وہ بائیک پر جاذب کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اور بڑے میاں اسے دشمن کی نظروں سے گھور رہے تھے۔ وہ تصور سے نکل کر بولی۔ "ایک بہت ہی بد دماغ اور چڑچڑے آدمی سے سامنا ہوا تھا۔ ٹیکسی کو میں نے رکوایا تھا۔ مگر وہ آ کر بیٹھنے لگے۔ میں نے اعتراض کیا تو کہنے لگے، اے لڑکی! تم ہمیں نہیں جانتیں۔ ہم خان اعظم خان ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری افسر ہمیں سلام کرتے ہیں۔"

جاذب نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "او گاڈ! وہ میرے ڈیڈی تھے۔ وہ ایسی ہی شیخی بگھارتے ہیں۔"

"انہوں نے کہا، ان کی تیس لاکھ کی ہنڈا اکارڈ گیراج میں ہے۔ اس لئے ٹیکسی میں بیٹھنے آئے ہیں۔ میں نے بھی جواباً کہا کہ میری اسّی لاکھ کی رولس رائس میرا ملازم چلا رہا ہے۔ اس لئے ٹیکسی میں جا رہی ہوں۔"

"یا خدا! مائلہ! تم نے ان کا مقابلہ کیوں کیا؟"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ آپ کے ڈیڈی ہیں۔ وہ میری انسلٹ کر رہے تھے۔ میں نے بھی کہہ دیا، جائیں میں یہ ٹیکسی آپ کو خیرات کر رہی ہوں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ وہ تو سلگ گئے ہوں گے۔ تم نے انہیں خیرات دینے کی بات کی ہے، وہ ایسی توہین کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ میں تمہیں ان سے ملوانا چاہتا تھا۔ اب کس منہ سے ملواؤں گا؟"

وہ ذرا مایوس ہو کر بولی۔ "میں کیا کروں؟ آپ اپنے ایمان سے بولیں، کوئی ہماری توہین کرے گا تو جواباً ہم کچھ نہیں بولیں گے؟"

"میں تمہیں الزام نہیں دے رہا ہوں۔ کوئی میری انسلٹ کرتا ہے تو میں بھی منہ توڑ جواب دیتا ہوں۔ لیکن یہاں تو ڈیڈی کا معاملہ ہے۔ وہ او سی ڈی کے ذہنی مریض ہیں۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟"

"او سی ڈی کا مطلب ہے Obsessive Compulsive Disorder۔ اس بیماری میں مریض کسی بھی بات کو اپنے دماغ پر طاری کر لیتا ہے۔ تم ان کے ذہن پر حاوی ہو کر انہیں غصہ دلا رہی ہو۔ اس مرض میں مبتلا رہنے والے بظاہر نارمل رہتے ہیں۔ لیکن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہو تو ان کا مزاج گرم ہو جاتا ہے۔ وہ گھیٹو دے میں ری ایکٹ کرنے لگتے ہیں۔"

وہ مایوس ہو کر بولی۔ "اب کیا ہوگا؟"

"یہاں سمندر کے کنارے کچھ نہیں ہوگا۔ گھر جا کر ان کا موڈ دیکھوں گا۔ کوئی بات بنانے کی کوشش کروں گا۔"

مائلہ واپسی کے لئے اس کی بائیک کے پیچھے آ کر بیٹھ گئی تو نامعلوم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تیر گئی۔

☆☆☆

عینی کچن میں مصروف تھی۔ کال بیل کی آواز سن کر بڑبڑانے لگی۔ "آ گئی مہارانی... مہاراجہ سے ملنے گئی تھی۔ دیکھتی ہوں، کیا میدان مار کر آئی ہے؟"

اس نے چولہے کی آنچ دھیمی کی۔ پھر کچن سے نکل کر ایک کمرے کے دروازے کو ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اس کے سسر منصور احمد بیڈ پر گہری نیند میں تھے۔ وہ وہاں سے چلتی ہوئی بیرونی دروازے پر آئی۔ پھر اسے کھول کر مسکراتے ہوئے مائلہ کو دیکھا۔ وہ کچھ مرجھائی ہوئی سی تھی۔ سر جھکا کر اندر آ گئی۔ کچھ کہے سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

عینی نے اسے تعجب سے دیکھا۔ پھر دروازے کو بند کر کے اس کے کمرے میں آئی۔ مائلہ اپنے دوپٹے کو ایک طرف پھینکتے ہوئے بیڈ کے سرے پر بیٹھ گئی۔ عینی قریب آ کر اسے تکنے لگی۔ مائلہ نے روٹھنے کے انداز میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

اس نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟"

وہ مایوسی سے بولی۔ "میرا منہ ہی ایسا ہے۔"

"تم نے فون پر کہا تھا، جاذب کے ساتھ ہو۔"

اس نے ایک جھٹکے سے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ عینی نے پوچھا۔ "تو پھر...؟ کیا اس سے لڑائی ہوئی ہے؟"

"اس سے تو نہیں ہوئی۔ تقدیر سے ہو گئی ہے۔ میرے تو نصیب ہی پھوٹے ہیں۔"

"کیوں نصیب کو کوس رہی ہو؟ کچھ بتاؤ تو سہی، کیا ہوا ہے؟"

اس نے بھابھی سے آنکھیں ملائیں۔ پھر کہا۔ "جاذب کے ڈیڈی مجھ سے لڑ بیٹھے ہیں۔"

"کیا...؟" عینی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ ان کے ڈیڈی ہیں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتی تو وہ بھی انہیں منہ توڑ جواب دیتی۔ بڑے میاں بہت ہی گرم مزاج اور چڑچڑے ہیں۔"

وہ اپنی روداد سنانے لگی کہ کس طرح بڑے میاں سے سامنا ہوا تھا اور سامنا ہوتے ہی وہ ایک دوسرے کے مزاج کے خلاف ٹکرا گئے تھے۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں بڑے میاں کو شاید کوئی نقصان نہ پہنچے مگر وہ سوچ سوچ کر دبلی ہو رہی تھی۔

(باقی صفحہ 52 پر)

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

محی الدین نواب

قسط نمبر 2

جاذب ڈرائنگ روم میں تھا۔ ہیلمٹ کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ممی! بہت تھک گیا ہوں۔ پلیز پانی پلائیں۔"

وہ پانی کے لئے جانا چاہتی تھیں مگر میاں کی بات سننے کے لئے رک گئیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہہ رہا تھا۔ "کیا تم اپنی بائیک دوستوں کو دیتے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں بھی ان سے کوئی نہ کوئی چیز لیتا رہتا ہوں۔"

ستارہ نے کہا۔ "یہ تھکا ہوا آیا ہے۔ اس سے سوال جواب نہ کریں۔ آرام کرنے دیں۔"

"تم چپ رہو۔ بات میں لات نہ مارو۔"

پھر اس نے بیٹے سے کہا۔ "دوستوں کو گاڑی دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ آوارہ لڑکیوں کو بٹھا کر گھومتے پھریں۔"

"وہ آوارہ لڑکی نہیں تھی۔ اس کی بہن تھی۔ بھائی کے ساتھ جا رہی تھی۔"

"تمہارے دوست کی بہن اتنی مغرور، بد دماغ، بدتمیز اور منہ پھٹ ہے۔"

"وہ ایسی نہیں ہے ڈیڈ! اور اصل آپ کو نہیں جانتی تھی کہ آپ میرے ڈیڈی ہیں۔"

"اگر جانتی تو کیا ہمارے پاؤں دھو کر پیتی؟"

"ایسا تو کوئی نہیں کرتا۔ البتہ وہ یہاں آ کر آپ کے قدموں میں گر جائے گی۔"

"وہ کیوں آئے گی؟ کیوں ہمارے قدموں میں گرے گی؟ ہم اس کا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔"

"ڈیڈ! اس بے چاری سے ایک غلطی ہو گئی۔ اسے معاف کر دیں۔"

"تمہیں اس بے چاری سے ہمدردی کیوں ہے؟"

"وہ بہت اچھی ہے ڈیڈ! ساری عمر آپ کی اور ممی کی خدمت کرے گی۔"

ستارہ بیگم اور اعظم خان نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "وہ تمام عمر ہماری خدمت کیوں کرے گی؟"

"وہ۔ وہ بات یہ ہے کہ وہ مجھے چاہتی ہے۔ میں بھی اسے چاہتا ہوں۔ یعنی ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ شا۔ شا۔ شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

وہ غصے سے دہاڑتے ہوئے بولا۔ "بکواس مت کرو۔ اپنی پسند کی بکواس لڑکی کو گھر لانے کا فیصلہ بھی کر رہے ہو۔ یہ بھول گئے کہ یہ گھر ہمارا ہے۔ تمہارے باپ کا نہیں ہے۔"

ستارہ نے کہا۔ "کیا بول رہے ہیں؟ آپ ہی تو اس کے باپ ہیں۔"

"تم چپ رہو۔ یہ ہماری مرضی کے خلاف اتنا بڑا فیصلہ کرے گا تو نہ ہم اس کے باپ رہیں گے نہ یہ ہمارا بیٹا۔ کیا یہ نہیں جانتا؟ ہم اپنے بھائی کی بیٹی کو بہو بنانا چاہتے ہیں؟"

"آپ کے بھائی کی نہیں، میرے بھائی کی بیٹی بہو بن کر آئے گی۔"

"ہرگز نہیں۔ ہمارا فیصلہ سب مانتے ہیں۔ تمہیں بھی ماننا ہوگا۔"

"میں تو کبھی نہ مانوں اور اب بیٹا بھی من مانی کر رہا ہے۔"

اعظم خان نے بیٹے کو گھور کر دیکھا۔ پھر بیگم کی طرف جھک کر کہا۔ "ہم دونوں کی ایک رائے ہوگی اور خاندان کے بزرگ بھی ہماری حمایت کریں گے تو ہمیں اس بد دماغ اور منہ زور لڑکی سے نجات مل جائے گی۔"

"تو پھر مان جائیں۔ یہاں میرے بھائی کی بیٹی بہو بن کر آئے گی۔"

"اس جھگڑے کو ابھی رہنے دو۔ ہم بعد میں طے کر لیں گے۔ فی الحال اس منہ زور لڑکی کو نظروں سے گرا دو۔"

"وہ تو گری ہوئی لڑکی ہے۔ اسے ہم کیا گرائیں گے؟ اس گھر میں ہمارے خاندان کی ہی لڑکی آئے گی۔ ہم کسی باہر والی کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔"

اس نے بیٹے سے کہا۔ "سنا تم نے؟ آئندہ اس لڑکی سے نہیں ملو گے اور اس کے بھائی کو اپنی بائیک بھی نہیں دو گے۔"

وہ مایوس ہو کر اپنا ہیلمٹ اٹھا کر وہاں سے جانے لگا۔ باپ نے کہا۔ "سنو...؟"

وہ رک گیا۔ اس نے پوچھا۔ "اس کا نام کیا ہے؟"

"مائلہ۔"

"ہاں۔ اس نے یہی نام بتایا تھا۔ کیا وہ تمہیں بہت چاہتی ہے؟"

جاذب کے دل میں ایک امید سی روشن ہوئی۔ اس نے کہا۔ "یس ڈیڈ! ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔"

"اس لڑکی نے بڑے غرور سے کہا تھا کہ ہمیں خیرات دے رہی ہے۔ جاؤ۔ اس سے کہو ہم سے بھیک مانگنے آئے اور اپنے اس باپ کو بھی ساتھ لائے۔ پھر ہم اسے منہ توڑ جواب دیں گے۔"

"ڈیڈ! اگر آپ اسے جھکانا چاہیں گے تو وہ بزرگ مان کر جھک جائے گی۔ اسے توڑنا چاہیں گے تو کبھی نہیں ٹوٹے گی۔"

وہ پلٹ کر جانے لگا۔ اعظم خان نے کہا۔ "تم اپنے باپ کو جانتے ہو۔ ہم توڑنا جانتے ہیں، جھکنا نہیں جانتے۔"

پھر وہ ستارہ سے بولا۔ "ہم پہلے ہی سمجھ گئے ہیں، جوان ہوتے ہی اس کے پر نکل آئے ہیں۔ یہ ہمارے مقابلے میں باہر والی کی حمایت کر رہا ہے۔ آگے چل کر اور نہ جانے کیا کرے گا؟"

"اور کیا کرے گا؟ اس لڑکی کے سامنے ہمیں دو کوڑی کا کر دے گا۔"

"اس سے پہلے کہ یہ بے لگام ہو جائے۔ ہمیں فوراً لگام ڈالنی ہوگی۔"

"میں آج ہی اپنے بھائی سے بات کروں گی۔"

"ہم اپنے بھائی کی بیٹی لائیں گے۔"

"بہو میری مرضی سے آئے گی۔"

"ہماری مرضی کے خلاف اس گھر میں ایک تنکا بھی نہیں آئے گا۔"

"سوچ لیں۔ ہم لڑتے رہیں گے تو بیٹا اپنی من مانی کرے گا۔"

اعظم نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "اچھی بات ہے تو پھر یہ طے کرو کہ ہم میں سے جو بھی اس لڑکی کے فریب سے بیٹے کو نکال لائے گا، بہو اس کی مرضی سے آئے گی۔"

وہ بڑے فخر سے بولی۔ "میں ماں ہوں۔ وہ ماں سے زیادہ اس لڑکی کو اہمیت نہیں دے گا۔ دے گا تو میں اسے دودھ نہیں بخشوں گی۔"

"جوانی میں سر چڑھ کر بولنے والی لڑکیاں ماؤں کے دودھ میں پانی ملا دیتی ہیں۔ اس کی رگوں میں ہمارا لہو دوڑ رہا ہے۔ وہ ہماری طرف جھکے گا۔"

"نہ جھکے تو سمجھ لینا، دودھ کی طرح لہو بھی پانی ہو گیا ہے۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔ بیٹا ساری عمر کی کمائی ہوتا ہے۔ ہم اپنی کمائی یوں لٹنے نہیں دیں گے۔"

ان دونوں کی جگہ بیٹھ کر دیکھا جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ ان کی ساری زندگی کی کمائی ایک لڑکی لوٹ کر لے جانے والی تھی۔

☆☆☆

نئی صبح کی اجلی کرنیں "پی جن ٹاور" کی نو منزلہ عمارت کو جگمگا رہی تھیں۔

اس نے کسمسا کر کروٹ بدل لی۔ سن ڈے ہو تو کوئی سورج کی نہیں سنتا۔ سب ہی دن چڑھے تک لمبی تان کر سوتے ہیں۔

کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیے گئے۔ سورج کی کرنیں صباحت کے نرم گلابی گالوں کو سہلانے لگیں۔ وہ ایک بار پھر کروٹ بدل کر کمبل میں دبک گئی۔ ایسے ہی وقت شیریں گل کی چابک مارنے والی آواز نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "فرح... نو بج رہے ہیں۔ کب تک سوتی رہو گی؟ چلو اٹھ جاؤ..."

اس نے بیزاری سے تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔ کان دھاپ لینے اور منہ چھپا لینے سے وہ ٹلنے والی نہیں تھیں۔ ماں نے تکیہ کھینچ کر ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "کیا بات ہے؟ کیا یونہی بستر پر مستقل رہو گی؟"

وہ کروٹ بدلتے ہوئے بولی۔ "کیا ہے ممی... سونے دیں ناں..."

بیٹی کا چہرہ سامنے آیا تو ماں کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ وہ تیز لہجے میں بولی۔ "یہ تم لپ اسٹک لگا کر سو رہی ہو...؟"

وہ فوراً ہی اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ہونٹوں کو رگڑتے ہوئے بولی۔ "وہ... یہ رات کو لگائی تھی۔"

وہ اس کا کان پکڑتے ہوئے بولی۔ "یہ تمہاری عمر ہے میک اپ کرنے کی...؟ اور اور یہ کیا...؟"

اس کے گلے میں موتیوں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ ماں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "یا میرے اللہ! یہ کیا پہن کر سو رہی تھیں؟"

"آپ کی مالا ہے۔"

وہ اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے بولی۔ "مالا کی بچی! راتوں کو ایسی چیزیں پہن کر نہیں سوتے۔ پھندہ لگ جاتا ہے۔"

وہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر ممی! اسٹار پلس کی آنٹیوں کو تو پھندہ نہیں لگتا۔ پتہ نہیں کیا کچھ پہن کر سوتی ہیں۔"

شیریں گل نے اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یوں دیکھا، جیسے ٹی وی کا سین اسکے سامنے زندہ ہو گیا ہو۔ ماں نے اس کے گلے سے مالا اتارتے ہوئے کہا۔ "یا اللہ! یہ بچیاں تو اپنی عمر سے آگے دوڑنے لگی ہیں۔ جاؤ... واش روم میں جاؤ۔ میں ناشتہ لا رہی ہوں۔"

وہ ایسی ہی تھی۔ عمر کی ہانڈی جیسی آنچ پر پکا کرتی ہے۔ مگر شوبز میڈیا کی آنچ اسے کچھ زیادہ ہی تیزی سے پکا رہی تھی۔

وہ گیارہ برس کی عمر میں کبھی بائیس برس کی کشش اور کبھی چالیس برس کی تلسی اور پاروتی بن جاتی تھی۔ کچے راستے پر پکی عمر کی انگلی پکڑ کر چلتی تھی۔ اس کے باوجود ایک بچی کی طرح معصوم تھی۔ مکاری نہیں جانتی تھی، صرف نقالی کی حد تک شرارتیں کرتی رہتی تھی۔

وہ معمول کے مطابق صبح اسکول جاتی تھی۔ کبھی جاتی ہی نہیں تھی۔ بی بلاک اور سی بلاک کے فلیٹوں میں گھومتی پھرتی تھی۔

پی جن ٹاور کے اے، بی اور سی بلاکس میں تقریباً چار سو فلیٹ تھے۔ ان فلیٹوں میں مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے لبالب بھرے ہوئے تھے۔ بڑھتی ہوئی انسانی آبادی چیختی چنگھاڑتی ہوئی لگتی تھی۔

وہ موڈی تھی۔ جب اسکول جانے کا موڈ نہ ہوتا تو اپنا اسکول بیگ سیکورٹی گارڈ کے کیبن میں چھپا دیتی تھی۔ پھر چار سو فلیٹس کی یونیورسٹی میں ایک ایک در پر جا کر ایسے ایسے تماشے دیکھتی تھی، ایسے ایسے سبق پڑھتی تھی کہ ذہن کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ سمجھتا رہتا تھا۔ اس کے اندر کچی پکی معلومات کا ذخیرہ ہوتا رہتا تھا۔

وہ اسکول کم ہی جاتی تھی۔ ویسے اس قدر ذہین تھی کہ ایک بار پڑھا ہوا سبق بھولتی نہیں تھی۔ خواہ وہ سبق اسکول سے ملے، پی جن ٹاور کی یونیورسٹی سے ملے یا شوبز میڈیا سے حاصل ہوتا رہے۔ وہ تمام درسگاہوں میں نمایاں رہتی تھی۔

اس وقت ناشتے سے فارغ ہوئی تو ماں نے کہا۔ "درخشاں آنٹی کے گھر سے ہماری پلیٹیں لے آؤ۔ ان کی بچیاں بہت شریر ہیں۔ ایک بھی پلیٹ ٹوٹ گئی تو ان کا کچھ نہیں جائے گا۔ ہمارا ڈنر سیٹ دو کوڑی کا ہو کر رہ جائے گا۔"

وہ تو گھر سے باہر نکلنے کے بہانے ڈھونڈتی تھی۔ ایسے وقت ماں کی سعادت مند بیٹی بن جاتی تھی۔ فوراً ہی بالوں میں برش کر کے بیرونی دروازے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔ شیریں گل نے چیخ کر کہا۔ "دیر نہ کرنا۔ پلیٹیں لے کر سیدھی گھر آنا..."

وہ باہر جا کر دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ "او کے ممی...! سیدھی جاؤں گی... سیدھی آؤں گی۔"

وہ اتنی سیدھی نہیں تھی۔ ماں باپ نے اس کا نام فرح رکھا تھا۔ وہ تتلی کی طرح ادھر ادھر منڈلاتی رہتی تھی۔ اس لئے سب ہی اسے تتلی کہتے تھے۔

تھرڈ فلور پر شادی کا ہنگامہ تھا۔ ریکارڈر سے ابھرنے والے فلمی گیتوں نے پورے پی جن ٹاور میں دھوم مچا رکھی تھی۔ کوریڈور میں بچے کھیل کود بھول کر ناچنے گانے لگے تھے۔ تتلی بھی وہاں جا کر تھرکنے لگی۔

گھر میں پھیلی ہوئی ابٹن کی بھینی بھینی مہک بتا رہی تھی کہ رومانہ کو سہاگن بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ اپنے بستر پر پاؤں سمیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے کمرے کو بڑی خوبصورتی سے سجایا جا رہا تھا۔ جاذب نظر پردے ہر چیز پر کچے چنبیلیوں کی طرح زرد رنگ بکھرا ہوا تھا۔

شام کے بعد اسے مایوں بٹھایا جانے والا تھا۔ پھر رسم کے مطابق چار یا پانچ دنوں تک اس کمرے کے ایک مخصوص گوشے میں اسے دن رات گزارنے تھے۔

بڑی بوڑھیوں کا کہنا تھا، دلہن چند دنوں تک پردے میں رہ کر ابٹن لگاتی رہے، محرم اور نامحرم کی نظروں سے چھپی رہے۔ حتیٰ کہ باپ اور بھائیوں سے بھی پردہ کرتی رہے تو اس کی معصومیت میں نکھار آتا ہے اور اس پر خوب روپ چڑھتا ہے۔

آخر کو وہ اپنے دولہا کی امانت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس نورانی بننے والی کو بڑے جتن سے سنبھال کر ایک کونے میں رکھ دیا جاتا ہے۔

مائلہ کرسی پر چڑھی موتیا اور گیندے کی لڑیاں سجا رہی تھی۔ ہاتھوں کو جھٹک کر گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "توبہ... تمہارے اس کمرے نے تو جان لے لی ہے۔ سجاتے سجاتے ہاتھ دکھنے لگے ہیں۔"

وہ کرسی سے اتر کر رومانہ کے پاس آ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں ہی شوق تھا مایوں کا کمرہ اپنے ہاتھوں سجاؤ گی۔ اب زیادہ نخرے نہ دکھاؤ، تمہاری شادی پر یہ احسان اتار دوں گی۔"

اس کے ہاتھوں میں پھولوں کی لڑیاں تھیں۔ وہ ان سے کھیل رہی تھی۔ شادی کی بات پر مسکرانے لگی۔ پھر ایکدم سے چونک گئی۔ کھلے ہوئے پھولوں میں جاذب کا چہرہ کھلنے لگا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے رومانہ کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "وہ... تمہاری چچی جان ابھی تک نہیں آئیں؟"

وہ اس کے بازو پر چٹکی لیتے ہوئے بولی۔ "چچی جان کا تو بہانہ ہے۔ صاف کیوں نہیں پوچھتیں کہ جاذب کب آئے گا؟"

وہ ایک سسکاری لے کر بازو کو سہلاتے ہوئے بولی۔ "بکواس نہ کرو۔ میں جاذب کا انتظار کیوں کرنے لگی؟"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں، تم ایک دوسرے کے لئے بے قرار رہتے ہو۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

وہ اسے بازو سے پکڑ کر بٹھاتے ہوئے بولی۔ "اچھا جی... ایسا نہیں ہے تو یہ بات کیوں گردش کر رہی ہے کہ وہ تمہیں اپنانے کے لئے اپنے ماں باپ کو منانے کی کوششیں کر رہا ہے؟"

کوئی اپنا بنا لینے کی کوشش کرے تو سنتے ہوئے اچھا لگتا ہے اور اس کی تگ و دو دیکھتے ہوئے ایسی سحر انگیز مسرتیں ملتی ہیں کہ ہواؤں میں اڑنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اس حقیقت سے سہیلیوں کے سامنے انجان بن کر رہنے کا مزہ بھی آتا ہے۔ وہ ٹوہ لیتی ہیں، کریدتی ہیں، بات پھیلاتی ہیں، ایک بات کا افسانہ بنا دیتی ہیں تو کسی کے نام سے نامور ہونا یا بدنام ہونا بھی اچھا لگتا ہے۔

وہ رومانہ سے نظریں چرا کر انجان بن کر بولی۔ "میں کیا جانوں، وہ ماں باپ کو منا بھی رہے ہیں یا نہیں...؟"

"تم سب جانتی ہو اور جان بوجھ کر انجان بن رہی ہو۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کے چہرے کو ہتھیلیوں کے گلدان میں سجاتے ہوئے بڑی محبت سے بولی۔ "میری دعا ہے، جیسے سہاگن بنانے کے بعد تم جاذب سے منسوب ہو جاؤ۔"

اس نے بڑی حسرت سے کہا۔ "پلیز۔ مجھے خواب نہ دکھاؤ۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں، ان کے ممی اور ڈیڈی مجھے پسند نہیں کرتے۔ پتہ نہیں، کسی نے کہہ دیا کہ میں جاذب سے عمر میں بڑی ہوں۔"

"اس بات کو دل پہ نہ لو۔ کسی کے کہنے سے تم عمر میں بڑی اور وہ چھوٹا نہیں ہو جائے گا۔"

"کہنے سننے سے اور لگائی بجھائی سے ہی بات بگڑتی چلی جاتی ہے۔"

"فرہاد نے شیریں کے لئے دودھ کی نہر نکالی تھی۔ جاذب بھی اپنی ماں کے دودھ کو اور ان کی ممتا کو کمزوری بنا کر انہیں قائل کرنے کی کوششیں کر رہا ہے۔ تم تو بس یونہی مایوس ہو جاتی ہو۔ ان حالات میں تو اسے حوصلہ دینا چاہئے۔"

وہ بولی۔ "میں کیا حوصلہ دوں؟ ان کی امی کے تیور تو ابھی سے ساسو ماں جیسے ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے، ابھی سے ساس بہو کا سبق پڑھ رہی ہو۔ بس اپنے فرہاد کو ہارنے نہ دینا۔"

پھر وہ اس سے پھولوں کی لڑیاں لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "تم آرام کرو۔ میں سجا دیتی ہوں۔"

اس کا دل و دماغ جاذب میں اٹکا ہوا تھا۔ رومانہ کرسی پر چڑھ کر سجاوٹ میں لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں ایکدم سے چونک گئیں۔ نانی اماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سینے پر ہاتھ مار کر دہائی دی۔ "آئے ہائے... یہ کیا تماشا ہو رہا ہے؟ دلہن اپنا کمرہ خود سجا رہی ہے؟ اترو... چل اتر نیچے۔"

وہ ہاتھ لہراتی ہوئی رومانہ کی طرف لپکیں۔ وہ فوراً ہی کرسی سے چھلانگ لگا کر دوسری طرف چلی گئی۔ وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔ "یا میرے اللہ! یہ کیسی باؤلی ہے؟ مایوں بیٹھنے والی ہے اور بچوں کی طرح اچھل کود کر رہی ہے۔ ہمارے زمانے میں جوان لڑکیوں کو اچھلنے کودنے کی تو کیا، دوڑنے بھاگنے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ سمجھایا جاتا تھا، آہستہ آہستہ قدم رکھ کر چلو اور پاؤں سمیٹ کر دو زانو ہو کر بیٹھا کرو۔ کنواریوں کو پلتھی مار کر، پاؤں پھیلا کر بیٹھنے نہیں دیا جاتا تھا اور تو کرسی سے چھلانگیں لگا رہی ہے؟"

رومانہ نے مائلہ کو چور نظروں سے دیکھا۔ پھر وہ نانی کو مطمئن کرنے کے لئے بڑی سعادت مندی سے اپنی جگہ آ کر دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اگر اس سلسلے میں ان سے بحث کرتی تو وہ اپنی نصیحتوں کے پٹارے کھول کر بیٹھ جاتیں۔

☆☆☆

خان اعظم خان ایک ایزی چیئر پر نیم دراز تھا۔ ڈاکٹر زیدی اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "اس وقت بھی آپ کا بی پی ہائی ہے۔ آپ خواہ مخواہ کیوں ٹینشن میں رہتے ہیں؟"

اعظم خان نے جاذب کی طرف دیکھا۔ وہ چھوٹے بھائی شاہ زیب کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ باپ نے ناگواری سے کہا۔ "میں خواہ مخواہ ٹینشن میں نہیں رہتا۔ اپنے گھر والے ہی میرے دشمن بن جاتے ہیں۔"

"گھر میں بھلا کون دشمن بنے گا؟"

ڈاکٹر زیدی نے ستارہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بھابھی کو برسوں سے جانتا ہوں، یہ خدمت گزار ہیں، آپ کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ دونوں بیٹے بھی بہت قابل اور سعادت مند ہیں۔ آپ کا اور بیزنس پھیلا ہوا کاروبار سنبھال رہے ہیں۔"

اعظم خان نے کہا۔ "مگر باپ کو نہیں سنبھال رہے ہیں۔ یہ صرف اپنی بات منواتے ہیں، میری نہیں مانتے۔ یہ جو چھوٹا ہے، کہتا ہے ابھی شادی نہیں کرے گا اور یہ بڑے صاحبزادے پکڑا گھر سے بہلانا چاہتے ہیں۔"

ستارہ بیگم میاں کے آگے جوس پیش کرتے ہوئے بولی۔ "بی پی ہائی ہے۔ جلنا چھوڑیں۔ بچے نادان ہیں۔ آپ جو چاہیں گے وہی ہوگا۔"

وہ ڈاکٹر سے بولا۔ "زیدی! یہ نادان نہیں ہیں، نافرمان ہیں۔ میں کہتا ہوں اپنے اسٹیٹس کے مطابق مہنگی سے مہنگی کار چلاؤ۔ مگر یہ بائیک چلاتا ہے۔ جانتے ہیں کیوں؟"

ڈاکٹر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولا۔ "کار میں لڑکی بیٹھے گی تو کسی کو دکھائی نہیں دے گی۔ بائیک پر پیچھے بٹھا کر دنیا کو دکھاتا پھرتا ہے کہ دیکھو! جو میرے باپ کی دشمن ہے، اسے میں سر پہ بٹھائے رکھتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ کی دشمن؟"

ستارہ بیگم نے کہا۔ "ایک لڑکی کی گستاخی سے میں ان کے حواس پر مسلط ہو گئی ہے۔"

ڈاکٹر نے اعظم خان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "او گاڈ! میں آپ کو سمجھاتا آ رہا ہوں کہ کسی بھی واقعہ کو یا کسی بھی ہستی کو اپنے ذہن پر حاوی نہ ہونے دیں۔ اگر آپ کسی لڑکی سے نفرت کریں گے تو وہ خیالوں میں آ کر آپ کو غصہ دلاتی رہے گی۔"

شاہ زیب نے پوچھا۔ "ڈیڈ! کیا آپ اس کے متعلق سوچتے ہیں؟ وہ آپ کے خیالوں میں آتی ہے؟"

باپ نے کہا۔ "وہ میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ میری انسلٹ کرتی ہے۔ پھر غائب ہو جاتی ہے۔"

ڈاکٹر نے تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "آپ فی الحال کسی سے باتیں نہ کریں۔ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کریں۔"

اس نے ایک کیپسول کھانے کے لئے دیا۔

پھر ستارہ بیگم، جاذب اور شاہ زیب سے کہا۔ "انہیں تنہا چھوڑ دیں۔ میں انہیں مشورہ دے رہا ہوں۔ جس طرح دودھ سے مکھی نکال کر پھینکی جاتی ہے، اسی طرح اس لڑکی کو دماغ سے نکال کر پھینک دیں۔ اس کے متعلق کچھ نہ سوچیں۔ اگر اس سے جیتنا چاہتے ہیں تو اسے ایک ذرا سی بھی اہمیت نہ دیں اور جب اس کے بارے میں نہیں سوچیں گے تو خود بخود اس کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔"

وہ تینوں کمرے سے جانے لگے۔ اعظم خان نے ڈاکٹر سے کہا۔ "آپ اس نالائق جاذب کو سمجھائیں۔ اس لڑکی کی اوقات کیا ہے کہ ہم اسے اہمیت دیں گے۔ وہ اسے دھتکار دے گا، اس کا نام بھی نہیں لے گا تو پھر ہمارا بی پی ہائی نہیں ہوگا۔"

ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ تھپک کر کہا۔ "میں اسے سمجھاؤں گا۔ آپ مطمئن ہو جائیں۔ اس گھر میں اس لڑکی کا نام بھی نہیں لیا جائے گا۔"

ڈاکٹر زیدی اپنا بیگ اٹھا کر اس کمرے سے جانے لگا۔ ڈرائنگ روم میں ستارہ بیگم جاذب سے کہہ رہی تھی۔ "تمہاری وجہ سے وہ اوپنا ہائی ہو رہے ہیں۔ وہ کون سی حور پری ہے جو اس کے پیچھے پاگل ہو رہے ہو؟"

شاہ زیب نے کہا۔ "ماما! وہ حور پری نہیں ہے، انسان ہے۔"

"یو شٹ اپ۔ بھائی کی حمایت نہ کرو۔ تم بھی اس کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ کیا تم بھی کسی لڑکی کے چکر میں پڑے ہو؟"

(باقی صفحہ 52 پر)

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

محی الدین نواب

قسط نمبر 3

مائلہ نے سوچا اب شام کو مایوں کی رسم کے وقت آئے گی۔ اپنے گھر کے کام بھی نمٹانے تھے۔ شادی کی تقریب کے باعث بیچاری عینی بھابھی تنہا گھر سنبھال رہی تھیں۔

مائلہ کا فلیٹ بھی رومانہ کے قریب تھرڈ فلور پر ہی تھا۔ اس کا دلہن بننے والی سے کوئی رشتہ داری یا کسی طرح کا خاندانی تعلق نہیں تھا۔ ایک ہی فلور پر رہنے کے باعث وہ سہیلیاں بن گئی تھیں اور دکھ سکھ میں سگے رشتہ داروں سے بڑھ کر ایک دوسرے کے ساتھ رہتی تھیں۔

وہ رومانہ کے گھر سے نکلی تو گلی اپنی سہیلیوں سے کسی بات پر بحث کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہوئے بولی۔ "باجی میرا نام فرح ہے۔ فرح کے معنی ہیں خوشی اور شادمانی..."

وہ سر ہلا کر بولی۔ "ہاں۔ تم تو پوری بلڈنگ میں مسرتیں بکھیرتی رہتی ہو۔"

وہ مائلہ کے ساتھ جاتے ہوئے پلٹ کر سہیلیوں سے بولی۔ "سن لیا تم سب نے...؟"

وہ آرام سے نہیں چل رہی تھی۔ اچھلتی کودتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "میری ممی کہتی ہیں میں ہرنی کی طرح اچھلتی ہوں۔"

مائلہ نے کہا۔ "سب یہی کہتے ہیں۔ میں بھی کہتی ہوں۔ زیادہ پھدکتی نہ پھرا کرو۔ کبھی اسکول کی کتابیں بھی کھول کر بیٹھا کرو۔"

وہ ٹالنے کے انداز میں بولی۔ "باجی مائلہ کے معنی کیا ہیں؟"

"محبت کرنے والی، اپنی طرف مائل کرنے والی، اپنی طرف کھینچنے والی..."

وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "یہ تو سچ ہے۔ آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔"

وہ ساتویں فلور پر رہتی تھی۔ لفٹ کے پاس رک کر سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "ہائے میں مر گئی۔"

مائلہ نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

"ممی نے ہماری پلیٹیں درخشاں آنٹی کے گھر سے لانے کو کہا تھا۔ تاکید کی تھی کہ سیدھی جانا اور سیدھی آنا..."

"میں تمہاری ممی سے کہوں گی تم کبھی سیدھی نہیں ہو سکتیں۔"

وہ پلٹ کر دوڑتی ہوئی درخشاں کے فلیٹ کی طرف جانے لگی۔ مائلہ نے اپنے فلیٹ کے دروازے پر آ کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ عینی بھابھی جیسے اس کے انتظار میں تھی۔ دروازہ کھول کر گھورتے ہوئے بولی۔ "اب آئی ہو؟ صبح ناشتہ کر کے نہیں گئیں۔ ایک ذرا خوشیاں ملتی ہیں تو کھانا پینا بھول جاتی ہو۔ شادی تمہاری ہو رہی ہے یا رومانہ کی...؟"

ایک کمرے سے منصور احمد کی بوڑھی کھانستی ہوئی آواز آئی۔ "بہو! کون ہے؟ ادھر آؤ۔"

"ہماری لاڈلی آئی ہے۔ پہلے اس کے پیٹ میں کچھ ٹھونسوں گی۔ پھر آؤں گی۔"

وہ ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی ہوئی کچن میں لائی۔ پھر رازداری سے بولی۔ "کیا وہ آیا تھا؟"

اس نے انجان بن کر پوچھا۔ "کون...؟"

"اور کون؟ سب سمجھ رہی ہو۔ سیدھی طرح جواب دو۔"

"شام کو مایوں کی رسم ہے۔ اس وقت ممی کو لے کر آئیں گے۔"

"تو پھر بات کیا بنے گی؟ ستارہ بیگم بیٹے کے سر پر تلوار بن کر لٹکتی رہیں گی۔"

وہ سالن اور روٹیاں نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔ "کھاتی رہو اور بولتی رہو۔ اس نے فون تو کیا ہوگا؟"

"ہاں۔ کہہ رہے تھے شام کو آئیں گے۔"

"بس... اتنا ہی؟ کچھ پیار سے تو کہا ہوگا؟"

وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ عینی نے کہا۔ "شادی سے پہلے تمہارے بھائی جان فون سے لگائے رکھتے تھے۔ کیا شاعرانہ باتیں کرتے تھے؟ اُف...! جادو کرتے رہتے تھے۔"

وہ ایک لقمہ اپنے ہاتھ سے کھلاتے ہوئے بولی۔ "پیار سے جادو جگانے کے یہی دن ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد دیکھ رہی ہو ہم دونوں آنے والی کے بھاؤ میں الجھے رہتے ہیں۔"

اس نے دوسرا لقمہ بڑھایا۔ اس نے کہا۔ "بس کریں بھابھی! میں کھا رہی ہوں۔"

"تو کھاؤ اور بولو تو سہی فون پر کیا بات ہوئی؟"

"وہ بہت اچھے ہیں۔ حوصلہ دیتے ہیں۔ میں نے کہا تھا آپ کے ڈیڈی سختی سے مخالفت کرتے رہیں گے۔" انہوں نے جواباً کہا۔

نہ گھبرا کثرت غم سے حصول کامیابی میں
کہ شاخ گل پہ پھول آنے سے پہلے خار آتے ہیں

"واہ کیا بات ہے؟ بالکل تمہارے بھائی جان کی طرح ہے۔ شادی سے پہلے یہ حضرات چُن چُن کر اشعار رٹ لیتے ہیں۔ پھر ہمارے کانوں میں پھونک کر بھولا بھلاتے رہتے ہیں۔"

اس بات پر دونوں ہنسنے لگیں۔ پھر ان کی ہنسی یکلخت رک گئی۔ منصور احمد کی بوڑھی کھانستی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ارے بہو! کہاں ہو؟ مائلہ سے لگی رہتی ہو۔ اس بوڑھے کی خبر نہ لینا۔ ایک دن ایسے ہی آواز دیتے دیتے اوپر چلا جاؤں گا۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی آئی۔ "توبہ ہے ابا میاں! آپ ہمیں دس باتیں سنائیں۔ مگر اوپر جانے کی بات نہ کیا کریں۔"

"سمجھو کہ جا چکا ہوں۔ جس طرح قبر میں تنہا رہوں گا اسی طرح یہاں اکیلا پڑا رہتا ہوں۔"

مائلہ ہاتھ میں پلیٹ لئے لقمہ چباتی ہوئی آئی۔ "ابا میاں! خدا کا واسطہ ہے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ آپ بالکل ہی تنہا نہیں ہیں۔ میں ہوں، بھابھی ہیں اور بھائی جان شام کو ڈیوٹی سے آ جاتے ہیں۔"

اس نے کہا۔ "تم لوگوں کے رہنے سے کیا ہوتا ہے؟ پچھلے تین برسوں سے کہہ رہا ہوں مجھے ایک پوتی یا پوتا چاہئے۔"

بہو فوراً ہی سر پر آنچل رکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

ایسے وقت کال بیل کی آواز سنائی دی۔ عینی نے دروازہ کھولا۔ منظور احمد نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"وہی ابا میاں کا مطالبہ ہے۔ ان کا مطالبہ پورا کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ آپ بازار جائیں اور ایک پوتی یا پوتا خرید کر لے آئیں۔"

کمرے سے آواز آئی۔ "بہو! کون ہے؟"

وہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔ "میں ہوں۔"

"آج تو بڑی جلدی آ گئے؟"

وہ آ کر بیڈ کے سرے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آج سنڈے ہے۔ اوور ٹائم کے لئے گیا تھا۔ کام جلدی ہو گیا تو چلا آیا۔"

"تم میرا کام کیوں نہیں کرتے؟ تین برس دو مہینے گزر چکے ہیں۔ میں انگلیوں پر گنتا رہتا ہوں۔ آخر بچوں کی ذمہ داریوں سے کب تک کتراتے رہو گے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی والے تمہیں اپھارا دے رہے ہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے ابا میاں! جب خدا کو منظور ہوگا تب آپ کی ہی نہیں ہماری بھی مرادیں پوری ہو جائیں گی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ اپنے گھر میں بچوں کا شور سننا چاہتا ہوں یا پھر جہاں جاتے ہو مجھے بھی ساتھ لے جایا کرو۔ میں یہاں تنہا نہیں رہا کروں گا۔"

"ہم جب بھی کسی تقریب میں یا کہیں تفریح کے لئے جاتے ہیں تو آپ کو ساتھ لے جاتے ہیں۔"

"جب عینی کے ساتھ اس کے میکے جاتے ہو تو کیا مجھے ساتھ لے جاتے ہو؟"

"وہ میری سسرال ہے مگر آپ کی بہن کا گھر ہے۔ آپ دس بار وہاں جا سکتے ہیں۔"

"اور جب بزنس کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر جاتے ہو تو کیا عینی کے ساتھ مجھے لے جاتے ہو؟"

"جب میں کہیں جانے کے لئے ضد کرتا تھا تو آپ کہتے تھے بچوں کو ہر جگہ نہیں لے جایا جاتا۔ اسی طرح بزرگوں کو بھی دور دراز کے سفر پر نہیں لے جانا چاہئے۔"

اس قدر ضد بحث کی تان یہیں آ کر ٹوٹتی تھی کہ انہیں تنہائی دور کرنے کے لئے ایک پوتی یا پوتا چاہئے۔ جبکہ بیٹے اور بہو کا ارادہ یہ تھا کہ شادی کی پانچویں سالگرہ کے ایک برس بعد پہلے بچے کی پہلی سالگرہ منائی جائے گی۔

اس شام عینی نیا جوڑا پہن کر آئینے کے سامنے ہر زاویے سے اپنا جائزہ لے رہی تھی۔ منصور احمد نے دروازے پر آ کر پوچھا۔ "کہاں کی تیاری ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "انہوں نے سینما کے ٹکٹ لئے ہیں۔ فلم دیکھنے جا رہے ہیں۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ جوانی میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہر ہفتے سینما ہال جایا کرتا تھا۔ وہاں فلم دیکھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ ٹی وی پر فلموں کی بھرمار نے سینما ہال ویران کر دیئے ہیں۔ آج پرانا دور یاد آ جائے گا۔ بڑے عرصے بعد بڑی اسکرین دیکھوں گا۔"

وہ ایکدم سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ تعجب سے بولی۔ "آ... آپ...؟ مگر منظور نے تو دو ٹکٹ لئے ہیں؟"

اس نے پوچھا۔ "دو ٹکٹ کیوں...؟ ہم چار ہیں۔ مائلہ تو مایوں میں جا رہی ہے۔ کیا تم بھی مائلہ کے ساتھ ہو گی۔ صرف ہم باپ بیٹے جائیں گے؟"

وہ جلدی سے بولی۔ "نہیں... میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ نہیں جائیں گے۔"

"کیوں بھئی میں کیوں نہیں جاؤں گا؟"

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "کیا اس عمر میں سینما جاتے اچھے لگیں گے؟"

"کیا ہوا میری عمر کو...؟ اس عمر میں تو لوگ سر پر سہرا سجاتے ہیں۔ میں سینما کیوں نہیں جا سکتا؟"

"سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ کو کھانسی کی شکایت ہے۔ وہاں اے سی ہال میں وہ تین گھنٹے گزاریں گے تو اور کھانسنے لگیں گے۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی ڈسٹرب ہوتے رہیں گے۔ پھر فلم بھی آنے لگے گا تو تھوکنے کے لئے بار بار کہاں جائیں گے؟"

"تم فکر نہ کرو۔ میں ٹھنڈک سے بچنے کے لئے مفلر رکھ لوں گا۔ تھوکنے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرے پاس شاپر رہے گا۔ بڑی اسکرین کے دھماکے خیز شور میں کھانسی کی آواز دب کر رہ جائے گی۔"

وہ ہتھیار ڈالنے کے انداز میں بولی۔ "تو پھر آپ بیٹے سے بات کر لیں۔"

وہ بالکونی میں بیٹے کے پاس آ کر بولا۔ "یہ کیسی ناانصافی ہو رہی ہے؟ میں بھی سینما جاؤں گا۔ ایک اور ٹکٹ خریدو۔"

"ابا میاں! ہم انگلش مووی دیکھنے جا رہے ہیں۔"

"انگلش مووی ہے تو کیا ہوا؟ کیا مجھے انگریزی نہیں آتی ہے؟ تم بہانے نہ بناؤ۔"

عینی ان سے دور ایک کمرے میں کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ دونوں کبھی سر ہلاتے، کبھی ہاتھ نچاتے ہوئے بولتے رہے۔ پھر سسر جی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ چہرے سے خوشی جھلکنے لگی۔ وہ کمرے میں آ کر بولا۔ "میرا کوئی لباس نکال دو۔ میں غسل کرنے جا رہا ہوں۔"

وہ پلٹ کر چلا گیا۔ اس نے فوراً ہی منظور کے پاس آ کر پوچھا۔ "کیا ابا میاں ہمارے ساتھ جا رہے ہیں؟"

"کہتے تھے۔ ان کی عمر سینما جانے کی نہیں ہے۔"

"مگر وہ تو جانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔"

"پی جن چائے کی مسجد میں ایک مدرسہ بنایا جا رہا ہے۔ وہ تعمیر کے سلسلے میں پیش امام صاحب کو پانچ ہزار روپے دے چکے ہیں۔ وہ چاہتے تھے میں بھی اس نیک کام میں حصہ لوں۔ لیکن میں انہیں ٹال رہا تھا۔"

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے پوچھا کچھ ہے اور آپ جواب کچھ دے رہے ہیں۔"

"صبر سے سنتی رہو۔ تمہاری ہی بات کا جواب دے رہا ہوں۔ سینما کا بھرپور مزہ لینے اور ڈنر کے بعد دل کھول کر تفریح کرنے کے لئے انہیں کسی دوسری طرف مصروف کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا میں ان کی ہتھیلی پر سینما کا ٹکٹ نہیں بلکہ چندے کے دو ہزار رکھوں گا۔"

جس طرح معصوم بچے کو ٹافی دے کر بہلایا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ مدرسے کے لئے دو ہزار روپے دے کر باپ کو بہلا رہا تھا۔ گویا ٹیکی کر رہا تھا۔ سینما کے راستے سے ہٹا کر مسجد کے راستے پر لگا رہا تھا۔

وہ ذرا سنجیدہ ہو کر بولا۔ "کیا کروں؟ کبھی کبھی تمہارے ساتھ لانگ ڈرائیو پر جانے کو جی چاہتا ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے تنہا گھومنا پھرنا اچھا لگتا ہے۔ ان کی موجودگی میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا تو دور کی بات ہے ہم ساتھ ساتھ چل بھی نہیں سکتے۔ میں اور ابا میاں آگے ہوتے ہیں اور تم پیچھے پیچھے چل رہی ہوتی ہو۔"

"ہم تو ان کا احترام کرتے ہیں، وہ ہمارے جذبات کو نہیں سمجھتے۔"

شام چھ بجے سے پہلے وہ دونوں سینما چلے گئے اور منصور احمد مغرب کی اذان سنتے ہی مسجد میں پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد پیش امام صاحب کی موجودگی میں مسجد کمیٹی کے صدر کو ایک لفافہ تھماتے ہوئے کہا۔ "اللہ نے میرے بیٹے کو ہدایت دی ہے۔ وہ مدرسے کے نیک کام میں اپنا حصہ ڈال رہا ہے۔ اسے قبول فرمائیں۔"

امام صاحب خوش ہو کر بولے۔ "خدا تمام مسلمانوں کو ایسی نیک ہدایت دے۔ آمین..."

☆☆☆

مایوں کی رسم سے پہلے قرآن خوانی اور میلاد کی محفل منعقد کی گئی تھی۔ ایسے وقت موسیقی خاموش ہو گئی تھی۔ مہمان خواتین تلاوت میں مصروف تھیں۔ مائلہ نے محفل کی مناسبت سے سفید رنگ پہنا تھا۔ جارجٹ کی گھیر دار شلوار اور چھوٹی سی قمیص میں وہ اجلی اجلی سی نظر آ رہی تھی۔ روپہلی گوٹے کی چمک دمک نے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

رومانہ اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "آج جاذب کی خیر نہیں ہے۔ تم نے تو اس کے لئے قیامت کا سامان کر رکھا ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ وہاں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ وہاں آ کر تلاوت میں مصروف ہو گئی۔ مگر دھیان جاذب کی طرف لگا ہوا تھا۔ ایسے ہی وقت خبر ملی کہ ستارہ بیگم آ گئی ہے۔ اس نے بے چین ہو کر لاؤنج کی طرف دیکھا۔ وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس کا شوخ و چنچل لہجہ واضح طور پر سنائی دے رہا تھا۔ وہ آتے ہی کسی سے باتوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ سر جھکا کر جلدی جلدی سپارہ پڑھنے لگی۔

ایسے وقت نانی اماں نے کہا۔ "مائلہ! اگر بتیاں ختم ہو گئی ہیں۔ جاؤ... اور سلگا دو۔"

وہ وہاں سے جانے کے لئے مچل رہی تھی۔ مگر جب جانے کا وقت آیا تو وہ جھجکنے لگی۔ نانی اماں نے اسے ٹوکا۔ "ارے کیا بہری ہو گئی ہو؟"

اس نے چونک کر کہا۔ "جی... جی ابھی لاتی ہوں۔ بس یہ سپارہ ختم کر لوں۔"

وہ آخری صفحہ پڑھ کر اٹھ گئی۔ آنچل کو سنبھالتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر آئی۔ سامنے ہی ایک تخت پر ستارہ بیگم اپنے چھوٹے بیٹے شاہ زیب کے ساتھ رومانہ کی امی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مائلہ نے ان کے سامنے آ کر سر کو جھکاتے ہوئے سلام کیا۔

ستارہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ جواباً اسے سلامتی نہیں دی۔ اونہہ کے انداز میں منہ پھیر لیا۔ وہ دلبرداشتہ سی ہو کر کچن میں آ گئی۔ ایسے وقت اس کی نگاہیں جاذب کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دکھائی تو کیا اب سنائی بھی نہیں دے رہا تھا۔

ستارہ بیگم نے رومانہ کی امی سے کہا۔ "توبہ ہے یہ لڑکی تو یہاں بھی مرنے آ گئی ہے۔ ابھی یہاں آتے وقت معلوم ہوا کہ یہ رومانہ کی سہیلی ہے۔"

رومانہ کی امی نے کہا۔ "آپ غصہ نہ کریں۔ مائلہ بہت ذہین اور ملنسار لڑکی ہے۔ ہم اسے پچھلے دو برسوں سے جانتے ہیں۔"

"مگر یہ نہیں جانتی ہوں گی کہ یہ میرے بیٹے کے پیچھے پڑی ہے۔ جبکہ جاذب سے عمر میں بہت بڑی ہے۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "بڑی ہے؟ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟"

"کسی کا کہنا ضروری نہیں ہے۔ صورت سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ ڈھلتی عمر والی ہے۔ خدا کے لئے اس لڑکی کی کوئی بات مجھ سے نہ کریں۔"

رومانہ کی امی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ شاہ زیب نے اشارہ کیا کہ وہ کچھ نہ بولے۔

ادھر مائلہ کچن میں اگربتی کا پیکٹ کھولتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "کیا مجھے دھوکا ہوا ہے؟ ہو سکتا ہے ان کی ممی شاہ زیب کے ساتھ آئی ہوں۔ مگر... نہیں۔ میرے کان اتنا بڑا دھوکا نہیں کھا سکتے۔ میں نے صاف طور پر ان کی آواز سنی ہے۔"

وہ اپنے آپ میں الجھی ہوئی تھی اور اس دوران اگربتیوں کو سلگانے کے لئے ماچس ڈھونڈ رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ذرا چونک گئی۔ دوپٹے کا پلو شاید کسی چیز میں اٹک گیا تھا۔ وہ اسے نکالنے کے لئے پلٹی تو ایکدم سے گھبرا گئی۔ جسے سامنے تلاش کر رہی تھی۔ وہ اچانک ہی پیچھے سے نمودار ہوا تھا۔ اس کے آنچل کے کونے کو تھامے بڑی شوخی سے مسکرا رہا تھا۔

وہ ادھر ادھر دیکھ کر ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "یہ کیا حرکت ہے۔ دوپٹہ چھوڑیں۔ کوئی آ جائے گا۔"

اس نے ایک جھٹکے سے دوپٹے کو کھینچنا چاہا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی۔ فوراً ہی اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے بولی۔ "خدا کو مانیں اور پلیز یہاں سے جائیں۔ آپ کی ممی نے دیکھ لیا تو شامت آ جائے گی۔"

وہ سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "جب قیامت سامنے کھڑی ہو تو شامت سے کیا ڈرنا؟"

وہ پھر اپنا دوپٹہ چھڑاتے ہوئے بولی۔ "زیادہ باتیں نہ بنایا کریں۔"

"میں بناتا نہیں ہوں۔ تم سامنے آتی ہو تو باتیں خود بخود بنتی چلی جاتی ہیں۔"

اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ سفید کاٹن کی شلوار قمیص میں وہ خوابوں کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ ہلکی ہلکی شیو اس کی شخصیت کو باوقار بنا رہی تھی۔

لڑکیاں ایسے ہی خوبرو محبوب کے خواب دیکھتی ہیں اور اسے تعبیر مل رہی تھی۔ وہ کسی کا بھی آئیڈیل بن سکتا تھا۔ اس کے خاندان کی کئی لڑکیاں اس کے لئے آہیں بھرتی تھیں۔ مگر حسینوں کی فہرست میں اس نے مائلہ کو اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔

بعض اوقات مسرتیں ہاتھ آتے آتے گیلے صابن کی طرح پھسل جاتی ہیں۔ وہ خواب نہیں تھا۔ مگر ستارہ بیگم اور اعظم خان کا ایک سخت فیصلہ اس کی محبت اور چاہت کو خواب بنا سکتا تھا۔

وہ اس کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔ "میں یہاں کھڑا ہوں۔ مجھے خیالوں میں کیوں ڈھونڈ رہی ہو؟"

وہ ذرا چونک کر بولی۔ "خوش فہمی میں نہ رہا کریں۔ میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔"

"میرے علاوہ بھی تمہارے پاس کچھ سوچنے کو ہے؟"

اس نے اگربتیوں کو دیکھ کر بے اختیار کہا۔ "نانو...!"

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "نانو...؟ تم ان کے بارے میں کیا سوچتی ہو؟"

وہ پلٹ کر ماچس تلاش کرتے ہوئے بولی۔ "اگر بتیاں جلانی ہیں۔"

وہ تھوڑی پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ "ان کی صحت دیکھ کر تو ایسا نہیں لگتا کہ ان کے لئے اگر بتیاں سلگائی جائیں۔"

وہ ایک کیبنٹ سے ماچس کی ڈبیہ نکالتے ہوئے بولی۔ "کیا اول فول بول رہے ہیں؟ اندر محفل میلاد شروع ہونے والی ہے۔ انہوں نے مجھے اگربتیوں کے لئے یہاں بھیجا تھا۔ مگر تم نے سب کچھ بھلا دیا..."

وہ اگربتیوں کو سلگا کر وہاں سے جانے لگی۔ وہ اس کے آگے دیوار بنتے ہوئے بولا۔ "میں رومانہ کے کمرے میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"میں نہیں آ سکوں گی۔ بہت مصروفیت ہے۔ رسم کے بعد فرصت ملے گی۔"

وہ بولا۔ "تب میں نہیں مل سکوں گا۔ ممی کے ساتھ گھر چلا جاؤں گا۔"

اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔ "کیا رکنے کے لئے نہیں آئے ہیں؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ "ڈیڈی کا حکم ہے۔"

وہ ایک ذرا مرجھا سی گئی۔ تمام کزنز نے رات بھر ناچ گانے اور ہلا گلا کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ جاذب کے ساتھ انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ خوب باتیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مایوس کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا میری خاطر رک نہیں سکتے؟"

"ایک شرط پر..."

"کیسی شرط...؟"

"ابھی رومانہ نے بتایا ہے، رات کو کپل (Couple) ڈانس بھی کیا جائے گا۔ تم بھی یہاں موجود رہو گی۔ اگر رقص میں میرا ساتھ دو گی تو صبح تک رک جاؤں گا۔ میں نے تو گانا بھی سوچ لیا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہ بابا... میں نہیں کر پاؤں گی۔"

"میں سکھاؤں گا۔ بڑا مزہ آئے گا۔"

ایسے ہی وقت نانی اماں کی آواز سنائی دی۔ "ارے یہ لڑکی اگربتی سلگانے گئی ہے یا بنانے...؟ مائلہ...!"

اس نے گھبرا کر کہا۔ "باپ رے... نانو آ رہی ہیں۔ پلیز آگے سے ہٹیں۔ مجھے جانے دیں۔"

"پہلے میری شرط مان لو۔"

نانی اماں کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔ مائلہ کے پسینے چھوٹنے لگے۔ ادھر نانی آ رہی تھیں۔ ادھر جاذب کی ضدی مسکراہٹ کہہ رہی تھی، وہ ٹلنے والا نہیں ہے۔ اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "آپ بہت ضدی ہیں۔"

"میری اصل ضد تو تم ہو۔ تمہیں منوانے کے لئے بڑے پاپڑ بیل رہا ہوں۔"

وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس کے والدین ان کے معاملے میں کس حد تک قائل ہو چکے ہیں؟ لیکن نانی اماں ننگی تلوار کی طرح سر پر لٹک رہی تھیں۔ وہ اسے رومانہ کے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولی۔ "میں بعد میں آپ سے باتیں کروں گی۔ ابھی یہاں سے جائیں۔"

وہ کمرے میں جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ایسے ہی وقت نانی وہاں پہنچ گئیں۔ اسے گھورتے ہوئے بولیں۔ "ارے کیا بہری ہو گئی تھی؟ کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ ہاں ناں کا جواب تو دینا چاہئے۔ کیا اگربتی سلگانے میں اتنی دیر لگتی ہے؟"

وہ اٹکتے ہوئے بولی۔ "وہ... یہ... دراصل ماچس نہیں مل رہی تھی۔ اس لئے دیر ہو گئی۔"

وہ سر جھٹک کر بولیں۔ "شادی کے گھر میں یہی افراتفری ہوتی ہے۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں رہتی۔ سوئی دھاگہ باورچی خانے میں ملتا ہے اور دیا سلائی بیڈ روم میں... خیر۔ اب چلو۔ دیر ہو رہی ہے۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی پلٹ کر جانے لگیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ذرا آگے جا کر وہ رک گئیں۔ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "میلاد ختم ہوتے ہی یہ جوڑا اتار دینا۔ جوان لڑکیوں پر سفید رنگ اچھا نہیں لگتا۔ ارے شادی کا گھر ہے۔ کھلتے ہوئے شوخ رنگ پہنو۔"

وہ بیزار ہو کر بولی۔ "جب سے پہنا ہے، تب سے دس بار ٹوک چکی ہیں۔ فکر نہ کریں۔ رسم کے لئے پیلا ہرا سوٹ استری کر کے رکھا ہے۔ ابھی پہن لوں گی۔"

عشاء کی اذان تک گھر میں نعتوں کی صدائیں گونجتی رہیں۔ پھر نماز کے بعد شادی کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔

(جاری ہے)

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

محی الدین نواب

قسط نمبر 4

اس تقریب میں بی جان نادر کے دو تین گھروں کے علاوہ شیریں بیگم اور تتلی کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

جب ڈھولک کی تھاپ اور تالیوں کی گونج میں نوجوان لڑکے لڑکیوں نے سہاگ کے گیت چھیڑے تو تتلی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ دوڑتی ہوئی آکر ان میں شامل ہوگئی۔

تالی بجانے کے لئے دونوں ہاتھوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں چاکلیٹس اور کینڈیز دبی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں گود میں رکھ کر تالیاں بجانے لگی۔ مگر تھوڑی دیر بعد ہی چونک گئی۔ برابر بیٹھے ہوئے ایک بچے کو گھورتے ہوئے بولی۔ "اے کیا کر رہے ہو؟ چوری کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ پیچھے ہٹ کر بیٹھو۔"

وہ بچہ اس سے نظریں بچا کر چاکلیٹ کو اچک لینا چاہتا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہی نظروں میں آگیا تھا۔ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے ہو گیا۔ مگر ندیدی نگاہیں کہہ رہی تھیں، وہ کسی بھی وقت دوبارہ حملہ کرسکتا ہے۔ تتلی نے دور تک بیٹھی ہوئی خواتین کو دیکھا۔ وہ ان چاکلیٹس کو ماں کے پاس رکھوانا چاہتی تھی۔ مگر شیریں کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے سوچا۔ "پتہ نہیں ممی کس طرف بیٹھی ہیں؟ انہیں ڈھونڈنے کے لئے یہاں سے اٹھوں گی تو پھر جگہ نہیں ملے گی۔ بہتر ہے تالیاں نہ بجاؤں۔ چاکلیٹس کو ہاتھ میں رکھوں۔"

اس بچے نے سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے گانے والوں کی آواز سے آواز ملانے لگی۔ جاذب اس کے دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ لہک لہک کر گا رہا تھا، تالیاں بجا رہا تھا۔ مگر اس کی نگاہیں فریدہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ پتہ نہیں، وہ کہاں چھپی ہوئی تھی؟ سامنے نہیں آ رہی تھی۔

ایک کزن نے ڈھولک جاذب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم بہت اچھا بجاتے ہو۔ لو بجاؤ۔"

دوسری لڑکیاں بھی اس کی حمایت کرنے لگیں۔ "ہاں۔ ہاں۔ جاذب۔ بجاؤ ناں۔"

سب کے اصرار پر اس نے ڈھولک سنبھال لیا۔ اس کی ڈوریاں کھینچ کر گھٹنے کے نیچے رکھتے ہوئے بولا۔ "ہاں بھئی۔ کونسا گانا شروع کرتا ہے؟"

ایک بزرگ خاتون نے اس کی کمر پر دھپ جماتے ہوئے کہا۔ "ارے کیا دیوانہ ہو گیا ہے؟ تو ڈھول پیٹے گا؟ یہ لڑکیوں کے کام ہیں۔"

ایک نے کہا۔ "لڑکے لڑکیوں سے اچھا ڈھول بجاتے ہیں اور جاذب کا تو جواب ہی نہیں ہے۔ محفل میں رنگ جما دے گا۔ آپ ذرا سن کر تو دیکھیں۔"

دوسری خاتون نے کہا۔ "اے بہن! یہ کیسی صدی چل رہی ہے۔ یہاں سب کچھ الٹا پلٹا ہو رہا ہے۔ لڑکیوں کے کام لڑکے کر رہے ہیں اور لڑکوں کے کام لڑکیوں نے سنبھال لئے ہیں۔ چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہو۔"

تھوڑی دیر بعد ہی شہلا بھابھی اسے لاؤنج میں لے آئیں۔ مائلہ ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ زرد رنگ کے جوڑے میں بہت ہی پرکشش لگ رہی تھی۔ جاذب بے اختیار ادھر دیکھنے لگا۔ وہ بھی رومانہ کی آڑ میں رہ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

اچانک ہی ڈھولک کی تھاپ بدل گئی۔ گانا بدل گیا۔ وہ سب ہی یک زبان ہو کر جاذب کے ساتھ گانے لگے۔

"ہوئی کیسی۔۔۔ ریشم کی ڈوری
چھپ چھپ کے شرمائے دیکھے چوری چوری
کوئی مانے یا نہ مانے میں تو اس پہ مر گیا
لڑکی ہائے اللہ۔۔۔ آئے ہائے رے اللہ۔۔۔"

یہ تو صاف سمجھ میں آ رہا تھا کہ دلہن کے ساتھ اس کی ایک ہی سہیلی آئی تھی۔ جاذب نے موقع کی مناسبت سے ایسا گانا گایا تھا کہ سب ہی گانے والے مائلہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ جھینپ سی گئی۔ سب سے کتراتی ہوئی نظریں چراتی ہوئی ایک لڑکی کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

تتلی تالیاں بجانے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔ اس بچے کو کہنی مارتے ہوئے بولی۔ "جاؤ نا۔ تم بھی باہر جا کر کھیلو۔"

"ایک چاکلیٹ دے دو۔ پھر چلا جاؤں گا۔"

وہ اسے ٹھینگا دکھاتے ہوئے بولی۔ "ایسے ہی دے دوں؟ شکل دیکھی ہے؟"

اس نے ٹھینگا دکھایا تو وہ زبان نکال کر منہ چڑانے لگا۔ تتلی نے جل کر کہا۔ "بالکل بندر لگ رہے ہو۔"

"تم بھی اس لہنگے میں بندریا لگ رہی ہو۔ ذرا ناچ کر دکھاؤ۔"

اس کی ڈھٹائی کہہ رہی تھی، وہ اسے اطمینان سے نہیں کرنے دے گا۔ اس نے بیزار ہو کر منہ پھیر لیا۔ ایسے ہی وقت دماغ میں ایک تدبیر آئی۔ اس نے کن انکھیوں سے برابر بیٹھے ہوئے جاذب کو دیکھا۔ وہ ڈھول بجانے میں مگن تھا۔ تتلی کی نگاہیں اس کے کرتے کی سائیڈ پاکٹ پر جم گئیں۔ چاکلیٹس کو سنبھال کر رکھنے کے لئے ایک وہی سب سے قریب اور محفوظ ترین جگہ تھی۔ اس نے چاکلیٹس کو چپکے سے اس کی جیب میں ڈال دیا۔ ذہن میں یہ بات تھی کہ جب گانا بجانا ختم ہوگا تو وہ اسے اپنی مجبوری بتا کر ان چیزوں کو واپس مانگ لے گی۔ بچہ اس کی ایسی حکمت عملی سے بے خبر تھا۔ وہ مطمئن ہو کر تالیاں بجانے لگی۔

جاذب شعروں کا سہارا لیکر اظہار محبت کر رہا تھا لیکن کورس میں اسکا ساتھ دینے والے اسکی دل کی بات نہیں جان سکتے تھے۔

پیار سب ہی کرتے ہیں مگر ایسے کرتے ہیں، جیسے چوری کر رہے ہوں۔ بزرگوں کی موجودگی میں اور بھری محفل میں محبوب کھل کر نہیں کہہ سکتا کہ کیا خوب لگ رہی ہو۔ بڑی سندر دکھائی دے رہی ہو۔ اور محبوبہ شرمائے لجائے بغیر یہ نہیں کہہ سکتی کہ پھر سے کہو۔ کہتے رہو۔ اچھا لگتا ہے۔ میں نے جو خواب دیکھے تھے وہ سچ لگ رہے ہیں۔

یہ فلمی شاعر سلامت رہیں۔ انہوں نے گونگی محبت کرنے والوں کو بڑی بے باکی سے بولنے والے گیت دیئے ہیں۔

اب ہر محفل میں، ہر صورتحال میں تمام چور جذبے ڈھکے کی چوٹ پر بولتے ہیں۔ پیار کے دشمن سنتے ہیں۔ کچھ سمجھتے ہیں۔ کچھ نہیں سمجھتے۔ طرح دے جاتے ہیں کہ کوئی گمبھیر معاملہ نہیں ہے۔ محض شادی بیاہ کے گیت گائے جا رہے ہیں۔

مائلہ بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ تالیاں بجا بجا کر دل کی بات محبوب تک پہنچا رہی تھی۔ ایک طرف گانے بجانے کا ہنگامہ تھا۔ دوسری طرف سات سہاگنیں باری باری رومانہ کو ابٹن لگا رہی تھیں، اس کا منہ میٹھا کرا رہی تھیں۔ پھر تمام کزنز بھی اس رسم میں شامل ہوگئیں۔ موبائل کیمرے کی چکا چوند روشنی میں سب ہی نکھرے نکھرے سے لگ رہے تھے۔

خوشیوں کے دھوم دھڑکے میں مائلہ کو ستارہ بیگم کی آواز سنائی دی۔ وہ اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ کسی رشتہ دار خاتون سے کہہ رہی تھیں۔ "میں تو اپنے بھائی کی بیٹی کو جاذب کی دلہن بنا کر لاؤں گی۔ بہت ہی خوبصورت ہے۔ بس رومانہ کی شادی سے فارغ ہوتے ہی انشاءاللہ منگنی کی مٹھائی کھلاؤں گی۔"

اس نے بات نہیں کی تھی۔ دھماکا کیا تھا۔ تالی کو چپ لگ گئی۔ وہ گانے کو بھول کر توجہ سے سننے لگی۔ اس کی پشت ستارہ کی طرف تھی۔ وہ اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے ذرا بلند آواز میں بولی۔ "یہاں اس کے جوڑ کی کوئی نہیں ہے۔ سب ہی اس سے بڑی ہیں۔ یا بہت چھوٹی ہیں۔ نہ کسی بچی کو بہو بنا سکتی ہوں۔ نہ کسی اماں کو لا کر بیٹے کے سر پر مسلط کر سکتی ہوں۔"

طنز کا ہتھیار خنجر سے زیادہ نوکیلا اور دھاردار ہوتا ہے۔ سیدھا دل کے بہت اندر اتر جاتا ہے۔ اس نے الفاظ کے ایک جھٹکے سے اسے اپنے بیٹے کی اماں بنا دیا تھا۔

وہ چھوٹی موٹی سی دھان پان سی لڑکی جاذب کے سامنے بڑی نہیں، بہت ہی چھوٹی لگتی تھی۔ لیکن نظروں سے گرانے کے لئے عمر کی گنتی کا دھوکا بہت ہوتا ہے۔

خاتون نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "درست کہہ رہی ہو۔ بے جوڑ شادی اچھی نہیں لگتی۔"

"اس لئے اپنے ہی میکے سے بہو لاؤں گی۔"

مائلہ کا چہرہ بجھ سا گیا۔ اس نے جاذب کی طرف دیکھا۔ وہ ڈھول بجاتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا، جاننا چاہتا تھا، بیٹھے بٹھائے اسے کیا ہوا ہے؟ اچانک ہی مرجھا کیوں گئی ہے؟

خوشیوں کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ نگاہوں کے سامنے جاذب کا چہرہ دھندلانے لگا۔ وہ محفل میں آنسو بہا کر تماشہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ فوراً ہی اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی بالکونی میں آگئی۔

تنہائی ملتے ہی سارے بند ٹوٹ گئے۔ آنسوؤں کی چھما چھم میں وہ سوچنے لگی۔ "جاذب نے اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی؟ کیوں جھوٹ بولتے رہے؟ وہاں تو بات منگنی تک پہنچ گئی ہے اور وہ کہتے ہیں، میرے لئے پاپڑ بیل رہے ہیں؟ اونہہ... کچھ نہیں ہے۔ باتیں ہی باتیں ہیں۔ وہ محبت نہیں، تفریح کر رہے ہیں۔ ماں جیسی بھی کالی پیلی بہو لائے گی، اس سے محبت کریں گے۔ ابھی محض شغل ہے۔ کل وہ کہاں ہوں گے؟ ہم کہاں ہوں گے؟"

وہ رو رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ عقب سے جاذب کی آواز سنائی دی تو سنبھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے پوچھا۔ "مائلہ۔۔۔! کیا بات ہے؟ تم یہاں کیوں چلی آئی ہو؟"

وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ بہت کچھ جاننا چاہتی تھی۔ مگر آنسوؤں کی برسات کہہ رہی تھی، وہ بات تو کیا فی الحال اس کا سامنا بھی نہیں کر پائے گی۔ اس نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "اندر دل گھبرا رہا تھا۔"

زخمی ہوئی آواز نے چغلی کھائی۔ اس نے پوچھا۔ "تم رو رہی ہو؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ وہ اسے شانے سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے بولا۔ "جھوٹ مت بولو۔ ادھر دیکھو۔"

اس نے پلٹ کر روتے ہوئے کہا۔ "جھوٹ میں نہیں، آپ بولتے رہے ہیں۔ سچ تو ابھی میرے کانوں تک پہنچا ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیسا سچ؟ کیسا جھوٹ۔۔؟ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

وہ دوپٹے سے چہرے کو پونچھتے ہوئے بولی۔ "کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آپ کے لئے کوئی لڑکی پسند کی گئی ہے اور رومانہ کی شادی کے بعد منگنی ہونے والی ہے؟"

وہ چند لمحوں تک اسے تکتا رہا۔ پھر اچانک ہی زوردار قہقہہ لگا کر بولا۔ "یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ممی تو آئے دن میرے لئے لڑکیاں پسند کرتی رہتی ہیں۔ لیکن میری سوئی تو تم پر اٹکی ہوئی ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "تو پھر وہ منگنی۔۔۔؟"

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "کوئی منگنی نہیں ہو رہی ہے۔ میں تمہارے نام کی انگوٹھی لے آیا ہوں۔ تمہاری ہی انگلی میں پہناؤں گا۔"

اس کی بات سن کر وہ اندر ہی اندر ہرا بھرا ہو گئی۔ پھر بھی دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ذرا مایوسی سے پوچھا۔ "کیا ایسا ہو سکے گا؟"

"مجھ پر بھروسہ رکھو اور یہ موڈ سیٹ کرو۔ روتی ہوئی بالکل اچھی نہیں لگتیں۔"

روتی ہوئی آنکھوں کا مزاج بدل گیا۔ وہ زیر لب مسکرانے لگی۔ پھر جیسے کچھ یاد آگیا۔ "لیکن وہ آپ کی ممی کہہ رہی تھیں۔۔۔"

وہ بڑی محبت سے بولا۔ "شش۔۔۔ صرف میری سنو۔ باقی ساری باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دو۔"

ادھر اس نے مائلہ کا منہ بند کیا۔ ادھر تتلی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ جاذب کو ڈھونڈتی ہوئی وہاں تک آئی تھی۔ دروازے پر ہی ٹھٹک گئی۔

وہ دنیا والوں سے چھپ کر پیار بھری سرگوشیاں کر رہے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ کم سن نگاہوں کی زد میں آگئے ہیں۔ اچانک ہی مائلہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ گھبرا کر جاذب سے دور ہوگئی۔ دوپٹہ سنبھالتے ہوئے بولی۔ "تت۔۔۔ تم یہاں۔۔۔؟"

جاذب بھی چونک گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر تتلی کو دیکھا۔ پھر سنبھلتے ہوئے کہا۔ "توبہ ہے مائلہ! ایک بچی سے ڈر گئیں؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "پتہ نہیں، یہ کب سے یہاں کھڑی ہماری باتیں سن رہی ہے؟"

جاذب تتلی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا۔ "بیٹا! یوں چھپ کر کسی کی باتیں سننا اچھی بات نہیں ہوتی۔"

وہ کانوں میں انگلیاں ڈال کر دائیں سے بائیں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں نے کچھ نہیں سنا ہے۔"

پھر آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "کچھ نہیں دیکھا ہے۔"

پھر ہونٹوں پر ہتھیلی رکھ کر بولی۔ "میں تو بولنا بھی نہیں جانتی۔"

جاذب کے دیدے حیرت سے پھیل گئے۔ وہ بچی تھی۔ مگر اس کی بولتی ہوئی اداکاری ایسی تھی جیسے کسی ڈرامہ سیریل سکھائی پڑھائی ہوئی بچی بول رہی ہو۔

اس نے مائلہ سے کہا۔ "کمال ہے، اس کے بولنے کا انداز دیکھ رہی ہو؟"

مائلہ نے کہا۔ "یہ ایسی ہی ہے۔ سب اسے اسٹار پلس کہتے ہیں۔"

پھر وہ تتلی سے بولی۔ "تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ معصومیت سے بولی۔ "مجھے کیا معلوم تھا یہاں نہیں آنا چاہئے۔ آپ دروازہ بند کرلیتیں۔"

مائلہ جھینپ گئی۔ جاذب مسکرانے لگا۔ وہ گھور کر بولی۔ "میں دروازہ کیوں بند کرلیتی؟"

وہ پھر معصومیت سے بولی۔ "جب پاپا سے کچھ بولنا ہوتا ہے تو ممی بھی دروازہ بند کرلیتی ہیں۔"

جاذب ہنسنے لگا۔ مائلہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ ہنس رہے ہیں؟ یہ ایسی باتیں دوسروں کے سامنے کرے گی تو میں کہاں منہ چھپاتی پھروں گی؟"

تتلی نے کہا۔ "میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے تو کسی سے کیا بولوں گی؟"

جاذب نے پوچھا۔ "اگر کسی نے پوچھا تو کیا بولو گی؟"

"ایسا تو ٹی وی ڈراموں میں ہوتا ہی ہے۔ کوئی پوچھے گا تو کسی ڈرامے کا سین سنا دوں گی۔"

مائلہ نے آنکھیں دکھائیں۔ "خبردار! تم کسی کو ڈرامے کا سین بھی نہیں سناؤ گی۔"

وہ پیٹ پکڑ کر بولی۔ "نہیں سناؤں گی۔ کچھ نہیں بولوں گی۔ پیٹ میں درد بھی ہوتا رہے گا تب بھی آپ کا نام نہیں لوں گی۔ پرومس۔"

وہ زچ ہو کر بولی۔ "تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ جاذب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "میں ان کے پیچھے آئی ہوں۔"

مائلہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "ان کے پیچھے؟ مگر کیوں؟"

جاذب نے پوچھا۔ "آخر یہ ہے کون؟"

وہ اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے بولی۔ "یوں تو میرا نام مفرح ہے۔ لیکن سب ہی مجھے تتلی کہتے ہیں۔ اوپر سیونتھ فلور پر رہتی ہوں۔"

وہ بولا۔ "تتلی۔۔۔ ہوں۔ بڑا پیارا نام ہے۔ مگر تتلی تو پھولوں کے پیچھے بھاگتی ہے۔ تم میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو؟"

"کیونکہ میری کینڈیز آپ کے پاس ہیں۔"

اس نے تعجب سے کہا۔ "کینڈیز۔۔۔؟"

مائلہ جاذب کو گھورتے ہوئے بولی۔ "آپ نے بچی سے کینڈیز لی ہیں؟"

"نہیں بھئی۔۔۔ یہ حرکتیں تو میں بچپن میں کرتا تھا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔"

تتلی نے کہا۔ "جھوٹ بولے۔ کوا کاٹے۔۔۔ مجھے کالے کوے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اس لئے جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ سچ سچ میری وہ چاکلیٹس اور پانچ کینڈیز آپ کے پاس ہیں۔ کہیں تو گنتی کے نام بھی بتادوں۔"

"ارے۔۔۔ یہ کیسی بچی ہے؟ خواہ مخواہ گلے پڑ رہی ہے۔"

اس کے اچانک آدھمکنے سے وہ دونوں ہی پریشان ہو گئے تھے۔ یہ خیال آ رہا تھا کہ بچی بلیک میل کر رہی ہے۔ رازدار بننے کے عوض تالیاں طلب کر رہی ہے۔

تتلی کو ایسی صورتحال میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ وہ انہیں الجھا کر محظوظ ہو رہی تھی۔ اس نے مائلہ سے کہا۔ "آپ ان کی پاکٹ چیک کریں۔"

وہ بولا۔ "یہ کیا چیک کریں گی۔ میں تمہاری تسلی کر دیتا ہوں۔"

وہ ادھر ادھر جیبوں پر ہاتھ مارتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ تتلی منہ دبا کر ہنس رہی تھی۔ وہ سائیڈ پاکٹ سے اس کی مطلوبہ چیزیں نکالتے ہوئے شدید حیرانی سے بولا۔ "مائی گاڈ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟"

تتلی نے ان کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔ "یہ میری چاکلیٹ اور کینڈیز ہیں۔"

مائلہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "جاذب۔۔۔!"

وہ جلدی سے انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "مائی گاڈ۔۔۔ میں نہیں جانتا، یہ۔۔۔ یہ میری جیب میں کیسے آگئیں۔۔۔؟"

تتلی اس کی حالت پر ہنس رہی تھی۔ پھر مائلہ سے بولی۔ "آپ انہیں کچھ نہ کہیں۔ میں اصل بات بتاتی ہوں۔"

وہ انہیں تفصیل بتانے لگی۔ جاذب اس کے سر پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے بولا۔ "تو بائی بے بی۔۔۔ اتنی دیر سے ہمیں بنا رہی تھیں؟"

وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگی۔ وہ اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ "چلو اب یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔"

وہ وہاں سے جانے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ ایک چاکلیٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ آپ دونوں کے لئے۔۔۔"

جاذب اسے لیتے ہوئے بولا۔ "بہت کنجوس ہو۔ ایک چاکلیٹ دے رہی ہو؟"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپس میں بانٹ لیں۔ ممی کہتی ہیں، مل جل کر کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔"

انہوں نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایسے وقت دونوں کے ذہنوں میں ایک ہی بات گونج رہی تھی۔ "بچے ہمارے عہد کے ہشیار ہو گئے۔۔۔"

وہ واقعی ہوشیار تھی۔

☆☆☆

منصور احمد عشاء کی نماز تک مسجد میں ہی رہا۔ اسے تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے سوچنے لگا۔ "گھر پہنچ کر سیدھی کروں گا۔ آرام تو آئے گا مگر جانے کیوں، تنہائی میں ایسا لگتا ہے، جیسے ساری دنیا نے سارے رشتوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔"

وہ فلیٹ کے پاس آیا۔ تتلی ایک شاپر میں کچھ لئے کھڑی تھی۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا۔ "تم اتنی رات کو بھی باہر گھومتی رہتی ہو؟"

وہ فلیٹ کے بٹن کو دباتے ہوئے بولی۔ "میں کھیلنے کودنے نہیں گئی تھی۔ ففتھ فلور والی زبیدہ آنٹی نے دودھ اور انڈے منگوائے ہیں۔ وہ اکیلی ہیں۔ بیمار بھی رہتی ہیں۔ انہیں وقت بے وقت کسی نہ کسی چیز کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔"

اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "شاباش۔۔۔ ویسے اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہی ہیں۔ میری ممی ان کا بہت خیال رکھتی ہیں۔"

"میں بھی ان کا بہت خیال رکھنا چاہتا ہوں مگر۔۔۔"

وہ آگے کچھ کہنے سے ہچکچانے لگے۔ ایسے ہی وقت لفٹ نیچے آئی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آگئے۔ تتلی نے پوچھا۔ "مگر کیا۔۔؟ آپ کچھ کہہ رہے تھے۔"

"کچھ نہیں۔ تم نہیں سمجھو گی۔"

تتلی نے دیدے مٹکا کر کہا۔ "میں سب سمجھتی ہوں۔"

اس نے یکدم سے گھبرا کر اسے یوں دیکھا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ پھر ذرا سنبھل کر پوچھا۔ "کیا سمجھتی ہو؟"

"وہی۔۔۔ وہ جو زبیدہ آنٹی کی پڑوسن ہیں اور ان کے سامنے والی آنٹی ہیں پھر ان کی جو پڑوسن آنٹی ہیں۔۔۔"

"مجھے پتہ ہے، پورے بی جان ٹاور میں تمہاری آنٹیاں بھری پڑی ہیں۔ آگے تو بولو۔"

"میں کیا بولوں؟ ان میں سے کچھ آنٹیاں آپ کو کہتی ہیں۔۔۔"

لفٹ رک گئی۔ تتلی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے فلور کا بٹن دبانا بھول گئے تھے۔ ففتھ فلور پر آگئے ہیں۔"

وہ اس کے پیچھے باہر آتے ہوئے بولا۔ "میں سیڑھیوں سے نیچے چلا جاؤں گا۔ پہلے یہ تو بتاؤ، وہ ساری آنٹیاں مجھے کیا کہتی ہیں؟"

وہ ہاتھ نچا نچا کر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "بڑے میاں دیوانے۔۔۔"

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نہیں کہہ رہی ہوں۔ اس فلور کی دو چار آنٹیاں آپ کی اور زبیدہ آنٹی کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔"

اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "توبہ توبہ۔۔۔ ان عورتوں کو چٹخارہ مارنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ یہ نہیں سوچتیں کہ مرد کو پتھر نہیں لگتے۔ اپنی ہی جیسی ایک عورت کو زخم دیتی ہیں۔ کچھ تو ان کے بڑھاپے اور بیماری کا خیال کرنا چاہئے۔"

"ممی کہتی ہیں، آپ بہت اچھے ہیں۔ زبیدہ آنٹی بھی بہت اچھی ہیں۔ عورتیں تو بس باتیں بنانے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "تمہاری ممی بہت اچھی ہیں۔ انہیں میرا اسلام کہنا۔"

"آپ میرا ایک کام کریں گے؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ شاپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ دودھ اور انڈے آنٹی کے پاس پہنچا دیں۔"

اس نے بے اختیار شاپر کو تھام لیا۔ پھر انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ میں اتنی رات کو یہ دینے کے لئے۔۔۔"

منصور احمد نے دائیں بائیں دور تک نظریں دوڑائیں۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ تمام فلیٹوں کے دروازے بند تھے۔ کوئی تاکنے جھانکنے والی نظر نہیں آ رہی تھی۔ تتلی نے فلیٹ کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "زبیدہ آنٹی پوچھ رہی تھیں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے؟ کھانسی تو نہیں ہوتی؟"

اس نے تڑپ کر زبیدہ کے فلیٹ کی طرف دیکھا۔ پھر کہا۔ "میرا تو بیٹا ہے، بہو ہے، پوتی ہے۔ اس کے باوجود تنہائی محسوس کرتا ہوں۔ ان کا کوئی بھی نہیں ہے۔ ان پر کیسے تنہائی کی مار پڑتی ہوگی؟" فلیٹ آکر رک گئی۔ تتلی نے اندر جا کر دروازہ بند کرلیا۔

(جاری ہے)

محی الدین نواب

قسط نمبر 5

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

وہ دور تک نظریں دوڑا رہے تھے۔ جب سر گھما کر تجلی کی طرف دیکھا تو وہ جا چکی تھی۔ اس نے پریشان ہو کر زیر لب کہا۔ "ارے یہ کیا ذمہ داری سونپ گئی ہے؟ میں وہاں کیسے جاؤں؟ کوئی دیکھ لے گا تو پھر باتیں بنائی جائیں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک کبھی اِدھر کبھی اُدھر جا کر دروازوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اللہ کا نام لے کر اس طرف چل پڑے۔ "یا اللہ... تو ہماری نیتوں کو سمجھتا ہے۔ دنیا والوں کو بھی سمجھا دے۔ مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ کیونکہ میں تنہائی کا مارا ہوں۔ اس کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل ہے' بڑھاپے میں بھی نیک نیتی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔"

دل میں چور نہیں تھا۔ پھر بھی وہ چور نظروں سے دائیں بائیں دیکھتا ہوا دروازے پر پہنچ گیا۔ بدنامی کے خوف سے ان کا دل دھڑک رہا تھا۔ اسنے کال بیل کا بٹن دبایا۔ اندر کہیں گھنٹی گنگنا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی زبیدہ کی آواز سنائی دی۔ "دروازہ کھلا ہے تجلی! اندر چلی آؤ۔"

یہ بتانا ضروری تھا کہ تجلی نہیں ہے۔ ایک نامحرم بوڑھا دروازے پر آیا ہے۔ مگر وہ کچھ بولتا تو دوسرے بھی سن لیتے اور اپنی آمد کی اطلاع دیے بغیر اندر جانا بھی مناسب نہیں تھا۔

اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ ایک اجازت نامے کی طرح کھل گیا۔ اس کے باوجود اندر جانا تہذیب کے خلاف تھا۔ مجبوراً دوسری بار کال بیل کے بٹن کو دبانا پڑا۔

زبیدہ کی آواز سنائی دی۔ "بیٹی! کہہ تو رہی ہوں' دروازہ کھلا ہے۔"

یوں بات بننے والی نہیں تھی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے کھنکارا۔ کھنکارنا تو جیسے بہانہ ہو گیا۔ ایکدم سے کھانسی شروع ہو گئی۔ وہ گھبرا گیا۔ منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ کر آواز دبانے کی کوششیں کرنے لگا۔ مگر کھانسی کے ہر جھٹکے کے ساتھ منہ کھل جاتا تھا۔ وہ جیسے کھانسی نہیں تھی' چیخیں تھیں۔ ایک ایک فلیٹ کے دروازے پر دستک دیتی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

وہ نڈھال سا ہو کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ ایسے ہی وقت دروازہ پوری طرح کھل گیا۔ زبیدہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ ہیں؟ کیا سیڑھیاں چڑھ کر آئے ہیں؟ یا اللہ! میں کیا کروں؟ ہاں۔ کھانسی کا سیرپ رکھا ہے۔ ابھی لاتی ہوں۔"

اس نے اسے روکنے کے لئے شاپر والا ہاتھ اٹھایا۔ زبیدہ نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

کھانسی رک گئی تھی۔ مگر وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے بول رہا تھا۔ "یہ... تمہارے واسطے دودھ... انڈے ہیں۔"

"ہائے اللہ! آپ لائے ہیں۔"

اس نے شاپر لیتے ہوئے انکا ہاتھ تھام لیا۔ منصور کو یوں لگا جیسے کمزوریاں ختم ہو گئی ہوں۔ جسم و جاں میں توانائی آ رہی ہو۔ اس ہاتھ نے اٹھا لیا تھا۔ مگر وہ اٹھتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا۔

وہ بولی۔ "آپ نے اتنی رات کو زحمت کی ہے۔ میں نے تو تجلی کو بھیجا تھا۔"

اس نے آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ اسی بہانے میں آ گیا۔ تمہاری خیریت بھی پوچھنی تھی۔"

"آپ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میری تیمارداری کے لئے ایک ملازمہ کو بھیجا تھا۔ مگر بوڑھوں سے اور بیماروں سے تو اپنے بھی کتراتے ہیں' وہ بھی بیزار ہو کر چلی گئی۔ آپ میرے لئے پریشان نہ ہوا کریں۔"

"کوئی تمہاری دیکھ بھال کرنے والا ہو تو پریشان نہ ہوتا۔ میں کل ہی کسی کا بندوبست کروں گا۔"

"ہاں۔ کوئی ایسی کام کرنے والی مل جائے جو صبح آئے دو وقت کا پکا کر چلی جائے۔ بازار سے سودا لے آئے۔ بے چاری شیریں (تجلی کی ماں) اور مائلہ دن میں ایک دو بار آ کر میرا بہت سا کام کر جاتی ہیں۔"

وہ سن رہا تھا اور تشنہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "جی تو نہیں چاہتا۔ لیکن مجھے جانا چاہئے۔ دن کو کسی وقت آؤں گا۔"

وہ جانے کے لئے پلٹا۔ پھر رک گیا۔ "ہاں۔ عالیہ بیٹی کا فون آیا تھا؟ وہ کب آ رہی ہے؟"

وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ "بیٹیاں پرائی ہو کر پرائے دستور کی پابند ہو جاتی ہیں۔ جب داماد کی مرضی ہو گی' تب ہی آ سکے گی۔"

"خدا تم پر رحم کرے۔ اکیلی کیسے رہ لیتی ہو؟"

"بیٹی کی' بیٹے کی' پوتے پوتیوں کی اور نواسے نواسیوں کی تصویریں دیکھ کر بہلتی رہتی ہوں۔"

"یہ اچھا ہے۔ تمہارے پاس تصویریں تو ہیں۔ میرے سامنے تو پوتے پوتیوں کا صرف تصور ہے۔"

"ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ نہ تصویر سے دل بہلتا ہے نہ تصور سے... جب البم بند کرتی ہوں تو تنہائی اور بھیانک ہو جاتی ہے۔"

وہ پلٹ کر جاتے ہوئے زیر لب بڑبڑانے لگا۔ "ہماری مجبوریوں کو کوئی نہیں سمجھتا۔ کوئی نہیں سمجھے گا اور ہم سمجھا بھی نہیں سکیں گے۔ ہم استعمال شدہ پرانے سامان کی طرح ہیں۔ ہمیں کہیں رکھ کر بھلا دیا جاتا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔ ایک فلیٹ کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ پردے کے پیچھے کوئی خاتون گنگنا رہی تھی۔ "بڑے میاں دیوانے ایسے نہ بنو... حسینہ کیا چاہتی ہے' کچھ تو سنو..."

وہ چلتے چلتے ذرا ٹھٹک گیا۔ پھر جلدی سے سیڑھیاں اترتے ہوا جانے لگا۔ بڑھاپے میں بلندی پر چڑھا نہیں جاتا۔ ڈھلان سے اترنا آسان ہوتا ہے۔ ان لمحات میں وہ آسانی سے اترتا ہوا بھی ہانپ رہا تھا۔

زبیدہ دروازے سے لگی اسے سیڑھیوں تک جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے بھی پڑوسن کی گنگناہٹ سنی تھی۔ اور بہت کچھ سوچتی رہتی تھی۔ دل کو سمجھاتی رہتی تھی۔ "کسی کی کمزوری ڈھونڈنے والیاں ایسے ہی مزے لیتی رہتی ہیں... لیتی رہیں۔ اس بڑھاپے میں بدنام کر کے کیا پکڑ لیں گی؟ آپ ہی بولتے بولتے تھک جائیں گی۔"

وہ دروازہ بند کر کے دیوار کا سہارا لیتی ہوئی کچن میں آ گئی۔ وہاں پہنچ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ دمے کی مریضہ تھی۔ اکثر بلڈ پریشر بھی ہائی رہتا تھا۔ سوچا تھا انڈے کا آملیٹ بنا کر باسی روٹی کے ساتھ کھائے گی۔ مگر گہری گہری سانسیں لینے کے باوجود ہوا پھیپھڑوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ ایسے وقت انہیلر لینا ضروری ہو گیا تھا۔

وہ انہیلر اور بی پی کی گولیاں اپنے بٹوے میں رکھتی تھی۔ بٹوا ایک ڈوری سے بندھا اس کی گردن سے لٹکا رہتا تھا۔ وہ انہیلر نکال کر روٹھی ہوئی سانسوں کو منانے لگی۔ وہ ایسی دوا تھی کہ فوراً ہی افاقہ ہوتا تھا۔

اسے ذرا آرام آ گیا۔ مگر اتنی توانائی نہیں تھی کہ چولہا جلا کر کھانے کا سامان کرتی۔ وہ ٹھنڈے دودھ میں باسی روٹی ڈبو کر کھانے لگی۔ عالیہ نے شادی کے بعد چاہا تھا ماں کو اپنے ساتھ کینیڈا لے جائے۔ لیکن داماد ایسا بے مروت تھا کہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ چکا تھا۔ پھر بھلا بوڑھی اور بیمار ساس کا بوجھ کیوں اٹھاتا پھرتا؟

مرحوم شوہر نے اس کے لئے بہت کچھ کیا تھا۔ وہ فلیٹ دیا تھا اور پیسے میں روڈ پر ایک دکان بھی اس کے نام کی تھی۔ اس کے ماہانہ کرائے سے گزارا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

لڑکے والے مہندی کی رسم ادا کرنے آئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد نوجوان لڑکیاں رومانہ کے پاس جمع ہو گئی تھیں۔ خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ لڑکوں کی ٹولی ریکارڈر کے شور مچاتے ہوئے میوزک سے محظوظ ہو رہی تھی۔ کوئی اٹھ کر ناچ رہا تھا' کوئی بیٹھے بیٹھے تھرک رہا تھا اور کوئی کسی کونے میں بیٹھا موبائل فون سے لگا ہوا تھا۔

جاذب ان کے درمیان سے اٹھ کر لڑکیوں کے پاس آتے ہوئے گنگنایا۔ "پیچھے پیچھے حسینوں کے میں آ گیا۔"

ایک نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "اے مسٹر...! یہ ہمارا پورشن ہے۔ یہاں لڑکوں کا داخلہ بند ہے۔ سب اُدھر بیٹھے ہیں۔ تم یہاں کیوں چلے آئے؟"

ایک لڑکی نے مائلہ کو دیکھا۔ پھر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "قصور جاذب کا نہیں ہے۔ یہ بے چارہ تو پروانہ ہے۔ بے اختیار اپنی شمع کی طرف کھنچا چلا آیا ہے۔"

وہ پالتھی مار کر ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ ایک ایک لڑکی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولا۔ "یہاں شمع کون ہے؟"

ایک کزن اس کی انگلی پکڑ کر مائلہ کی طرف موڑتے ہوئے بولی۔ "اِدھر نہیں مسٹر...! اُدھر..."

مائلہ نے اس کزن کو گھور کر دیکھا۔ دوسری اس کی ٹھوڑی کو چٹکی میں دباتے ہوئے گنگنائی۔ "یہی ہے وہ کچی ریشم کی ڈوری..."

ایک اور کزن پیچھے سے آ کر مائلہ سے لپٹتے ہوئے جاذب سے بولی۔ "آپ کی ڈوری ہمارے ہاتھوں میں ہے جناب...!"

مائلہ ناراضی دکھا رہی تھی۔ لیکن زیر لب مسکرا رہی تھی۔ کن انکھیوں سے جاذب کو دیکھ رہی تھی۔ سکھیوں کی ایسی چھیڑ چھاڑ میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ ایک نے کہا۔ "ارے نہیں... ان دونوں کی ڈوری تو جاذب کی امی کے ہاتھوں میں ہے۔"

سب ہی اس کی تائید کرنے لگیں۔ رومانہ نے کہا۔ "کیوں بھئی جاذب! میرے بعد تم دونوں اپنا نمبر لگا رہے ہو نا؟"

وہ بولا۔ "تیاری تو پوری ہے۔ بس ڈیڈی مان جائیں۔ ممی کو میں منا لوں گا۔"

"وہ نہ مانیں تو...؟"

مائلہ نے ایک ذرا فکر مندی سے جاذب کو دیکھا۔ وہ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر شوخی سے بولا۔ "تو... گھر سے بھاگنے کے میرے پاس ایک سو ایک طریقے ہیں۔"

اس کی بات سن کر سب ہی ہنسنے لگے۔ لیکن مائلہ کچھ سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ جاذب نے سب سے نظر بچا کر اسے یوں دیکھا' جیسے نگاہوں سے تھپکتے ہوئے تسلیاں دے رہا ہو۔

☆☆☆

منصور احمد کا بڑھاپا اپنے فلیٹ کے دروازے پر آ کر ہانپ رہا تھا۔ وہ ایک بوڑھی بیمار زبیدہ کی مزاج پرسی اور تیمارداری کے لئے گیا تھا اور خود ہی بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی دہلیز پر پہنچتے ہی کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

یہ آخری عمر بہت شرمندہ کرتی ہے۔ ساری مردانگی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ ایک بیمار' تنہائی کی ماری عورت کے کام نہیں آتی۔

وہ دودھ اور انڈے لے کر گئے تھے۔ ارادہ تھا' انڈہ ابال کر دودھ گرم کر کے اسے کھانے کو دے گا لیکن دروازے پر ہی کھانستے کھانستے پڑوسیوں کو جگا دیا تھا۔ مفت کی بدنامی مول لی تھی۔

یوں تو بدنام ہوتا ہی آ رہا تھا۔ مگر اتنی رات کو ایک خاتون کے پاس جا کر بدنامی کو ڈنکا لگا دیا تھا۔ کل سے یہ بات گردش کرنے والی تھی کہ بڑے میاں رات کو بھی بڑی بی کے پاس آنے لگے ہیں۔

وہ فلیٹ کا مقفل دروازہ کھول کر اندر آیا۔ بیٹا اور بہو فلم دیکھنے گئے تھے اور بیٹی اپنی کزن کے فلیٹ میں تھی۔ وہاں شادی کا دھوم دھڑکا ہو رہا تھا۔ گانے بجانے اور ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

واہ... دنیا کتنی خوش ہے؟ بزرگ بیمار ہوتے ہیں' تنہا رہ جاتے ہیں تو رہا کریں۔ جس کے نصیب میں جو ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ بوڑھوں کی بدنصیبی پر جوانوں کی خوش نصیبی خوش ہوتی رہے گی۔ ڈھولک بجاتی رہے گی۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ بے بسی سے سوچنے لگا۔ "اس کے لئے کیا کروں؟ وہ تو چولہے کے پاس جا کر دودھ گرم کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سکون نہیں مل رہا تھا۔ ابھی سیڑھیوں سے ہانپتا کانپتا آیا تھا' دل تھا کہ پھر اسی طرف بھاگ رہا تھا۔ مچل رہا تھا کہ کس طرح اس بے یار و مددگار کی خبر لی جائے؟

رات کے گیارہ بجے بیٹی اور منظور واپس آئے۔ بیٹے نے پوچھا۔ "آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟"

"میں تو جاگتا ہی رہتا ہوں۔ لائٹ آف کر کے بستر پر پڑا رہتا ہوں تو لگتا ہے سو رہا ہوں۔"

پھر وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔ "بڑھاپے میں سب سے پہلے نیند ساتھ چھوڑتی ہے۔ پھر رشتے چھوڑتے ہیں۔"

بیٹی اپنے کمرے میں جاتے جاتے رک گئی۔ پلٹ کر بولی۔ "ابا میاں! کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ کے بیٹے نے' بیٹی نے اور بہو نے ساتھ چھوڑ دیا ہے؟"

"میں اپنی بات نہیں کر رہا ہوں۔"

بیٹے نے کہا۔ "زیر لب طعنے تو دے رہے ہیں۔ ہم کتنے دنوں بعد آؤٹنگ کے لئے گئے تھے۔ اتفاق سے مائلہ شادی کی تقریب میں گئی ہے۔ مگر پڑوس میں ہی ہے اور آپ تنہائی کا رونا رو رہے ہیں؟"

"بیٹے! میں نے کہا نا' اپنا دکھڑا نہیں رو رہا ہوں۔ زبیدہ کے لئے کہہ رہا ہوں۔ تمام رشتوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ ابھی وہ لاچار پڑی ہوئی ہے۔ کوئی اسے کھانا گرم کر کے دینے والا نہیں ہے۔ رشتے دار نہ سہی اس کے لئے کم از کم ایک ملازمہ ضروری ہے۔"

بیٹا بہو نے چونک کر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ منظور نے پوچھا۔ "کیا آپ پھر وہاں گئے تھے؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "نن... نہیں۔ میں نہیں گیا تھا۔"

"تو پھر یہ کیسے جانتے ہیں کہ انہیں ملازمہ کی ضرورت ہے؟"

"سب ہی جانتے ہیں' وہ بوڑھی بیمار خاتون تنہا رہتی ہے۔ کوئی اسے پانی پلانے والا بھی نہیں ہوتا۔ کسی کو تو اس کے پاس رہنا چاہئے۔"

"آپ ان کے لئے اتنے فکر مند کیوں رہتے ہیں؟ شیریں آنٹی اور مائلہ ان کا کام کر ہی دیتی ہیں۔"

بیٹی نے کہا۔ "مگر آپ تو کچھ زیادہ ہی جانے لگے ہیں۔ پتہ ہے باہر آپ کے بارے میں کیسی باتیں بنائی جاتی ہیں؟"

وہ بولا۔ "باہر والے جو کہتے ہیں' سو کہتے ہیں۔ تم میری بہن کی بیٹی ہو۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ تم سب اپنے ہو کر مجھ پر شبہ کرتے ہو۔ میرے خلوص کو میری نیک نیتی کو نہیں سمجھتے ہو۔"

منظور نے کہا۔ "ہم شبہ نہیں کرتے۔ آپ کی شرافت کی قسمیں کھاتے ہیں۔ مگر ہماری قسموں پر کون یقین کرے گا؟ سیدھی سی بات ہے' آپ اس گھر کا راستہ بھول جائیں گے تو بولنے والوں کے منہ خود بخود بند ہو جائیں گے۔"

وہ بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "کیا شیطانی افواہوں کے ڈر سے نیکی نہ کی جائے؟ مسجد کے راستے پر پتھر برس رہے ہوں تو کیا نماز پڑھنا چھوڑ دی جائے؟"

"آپ کی دلیلوں سے ہم قائل ہو سکتے ہیں۔ دوسرے نہیں ہوں گے۔"

"بیٹے! نیکی اس ہاتھ سے نہ سہی' اس ہاتھ سے ہو سکتی ہے۔ میں نہ کر پاؤں تو تم کر سکتے ہو۔ شیریں اس کی مسیحائی کے لئے جاتی ہے۔ مائلہ بھی جاتی ہے۔ اس کے باوجود اس بیمار اور لاچار کو ایک ملازمہ کی ضرورت ہے۔ قسم لے لو مجھے زبیدہ سے ملنے اور باتیں کرنے کا شوق نہیں ہے۔"

بہو اور بیٹے نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ بیٹے نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ابا میاں درست کہتے ہیں۔ تم پی جی ٹاور کے دوسرے بلاکوں میں بھی جاتی ہو۔ کسی کام کرنے والی سے بات کرو۔ ہم زبیدہ آنٹی کے کام آئیں گے تو ان کا ضمیر مطمئن رہے گا۔"

منصور احمد نے کہا۔ "شیریں اور تجلی کی طرح مائلہ بھی تمہارے ساتھ وہاں جاتی رہے گی تو کوئی اسے تنہا اور بے یار و مددگار سمجھ کر اس کے خلاف باتیں نہیں بنائے گا۔"

انہوں نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہوگا۔

دوسرے دن منظور احمد معمول کے مطابق آفس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد بیٹی بھی سودا لینے جا رہی تھی۔ منصور احمد نے کہا۔ "بیٹی! چابی لیتی جاؤ۔ میں گھر لاک کر کے ذرا شیریں سے ملنے جاؤں گا۔"

وہ جاتے ہوئے بولی۔ "چابی میرے پاس ہے۔ شیریں آنٹی سیونتھ فلور پر رہتی ہیں۔ آپ وعدہ کریں ففتھ فلور پر نہیں جائیں گے۔"

وہ ناراض ہو کر بولا۔ "تم لوگوں کی بے اعتباری پر مجھے غصہ آتا ہے۔ کہہ تو دیا ہے' اُدھر نہیں جاؤں گا۔"

وہ سر پر آنچل سنبھالتی ہوئی باہر چلی گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔ "میں نے بیٹے بہو سے قسم کھا کر کہا ہے' مجھے زبیدہ سے ملنے اور باتیں کرنے کا شوق نہیں ہے۔ ٹھیک ہے' شوق نہیں ہے۔ مگر ہمدردی ہے۔ ایک لگاؤ سا ہے۔"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ عجیب سی بے چینی تھی' جیسے اسے اندر سے خالی کیا جا رہا ہو۔ وہ احتجاجاً سوچ رہا تھا۔ "مجھے اس سے کیوں نہیں ملنا چاہئے؟ ساری دنیا اس کے دروازے پر جائے' میں جاؤں تو گنہگار بن جاؤں۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔"

وہ پھر بیٹھ گیا۔ زیادہ ٹہلتے رہنے سے بڑھاپا کراہنے لگتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سانسیں درست کرتا رہا۔ پھر لباس تبدیل کر کے آئینے کے سامنے آ گیا۔ کنگھی کرتے ہوئے اپنا جائزہ لینے لگا۔

وہ شیریں سے ملنے جا رہا تھا۔ لیکن ذہن میں یہ بات تھی کہ تجلی کو اور اس کی ممی کو ڈھال بنا کر زبیدہ کے گھر جا سکتا ہے۔

قسمیں کھانے سے کیا ہوتا ہے؟ وہ بیٹے بہو سے کہہ سکتا تھا کہ خود نہیں گیا تھا۔ شیریں اسے ساتھ لے گئی تھی۔

منزل تو وہی ایک تھی۔ مگر وہ راستہ بدل کر شیریں کے گھر پہنچ گیا۔ کال بیل کا بٹن دبایا۔ تجلی نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا۔ پھر سلام کرتے ہوئے کہا۔ "ممی...! منصور انکل آئے ہیں۔"

شیریں کی آواز سنائی دی۔ "انہیں بٹھاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔"

وہ تجلی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بڑے اسمارٹ لگ رہے ہیں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "ہم جیسے بوڑھے بھلا کیا اسمارٹ لگیں گے؟ ہاں۔ یہ لباس نیا ہے۔ عید پر ایک ہی بار پہنا تھا اور آج پہنا ہے۔"

"پھر تو آپ کسی سے ملنے جا رہے ہیں۔"

"ایں...!" اس نے یوں چونک کر دیکھا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ "او... میں... میں تو یہیں آیا ہوں۔ بھلا اور کس سے ملنے جاؤں گا؟"

شیریں نے وہاں آتے ہوئے اسے سلام کیا۔ پھر اس کے سامنے ایک ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔ "زبیدہ آپا کے لئے بادام کا حلوہ بنایا تھا۔ آپ بھی ذرا چکھ لیں۔"

اس نے گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ "دور ہی سے خوشبو آ رہی ہے۔ تمہارا پکوان تو لاجواب ہوتا ہے۔ اس روز چکن قورمہ بھیجا تھا۔ میری بہو تو انگلیاں چاٹتی رہی۔"

وہ پلیٹ اٹھا کر کھاتے ہوئے بولا۔ "بیٹی سودا لینے گئی ہے۔ میں نے اس سے کہا ہے' زبیدہ کے لئے ایک ملازمہ کا بندوبست کرو۔ تم تو اس کے بہت کام آتی ہو۔ مگر کسی کام کرنے والی کا ہونا ضروری ہے۔"

شیریں نے کہا۔ "یہاں فلیٹوں میں کام کرنے والیاں بڑے نخرے دکھاتی ہیں۔ گھنٹے بھر میں ایک گھر کا کام ختم کر کے دوسرے گھر میں پہنچ جاتی ہیں۔ اس طرح ان کی محنت کم اور کمائی زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی بھی زبیدہ آپا کے پاس چار پانچ گھنٹے گزارنے کے لئے راضی نہیں ہے۔"

وہ میز پر پلیٹ رکھتے ہوئے بولا۔ "بڑی مشکل ہے۔ اچھی تنخواہ دو تب بھی کوئی کام کرنے والی نہیں ملتی ہے۔"

وہ گلاس اٹھا کر پانی پینے لگا۔ شیریں نے کہا۔ "ان کی پڑوسن کہہ رہی تھی' کل رات آپ ان کے پاس گئے تھے۔"

پانی حلق سے اتر رہا تھا۔ ایسے میں زور کا ٹھسکا لگا۔ اس نے کھانستے ہوئے تجلی کو دیکھا۔ وہ ماں کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ کے اشارے سے سمجھانے لگی کہ اس کی ممی سے کچھ نہ کہا جائے۔ یعنی اس نے ماں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ دودھ اور انڈے منصور کے ہاتھ وہاں بھجوائے تھے۔

اسے یاد آ رہا تھا رات کو کوئی پڑوسن اپنی کھڑکی کے پاس گنگنا رہی تھی اور اس گنگناہٹ کے بہانے ظاہر کر رہی تھی کہ چوری پکڑی گئی ہے۔ اس نے دو گھونٹ پانی پی کر گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بھی یہی کہتی ہو' مجھے وہاں نہیں جانا چاہئے؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ضرور جانا چاہئے۔ دنیا والوں سے ڈر کر رہیں گے تو زبیدہ آپا اکیلی پڑ جائیں گی۔"

اس نے خوش ہو کر شیریں کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "خدا تمہیں نیکیاں دے۔ میں تو کہتا ہوں' سب ہی کو وہاں جانا چاہئے۔"

"وقت بہت قیمتی ہو گیا ہے۔ لوگ پیدا کرنے والے بوڑھے والدین کے پاس بیٹھ کر دو باتیں نہیں کرتے۔ پھر زبیدہ آپا کو کون پوچھے گا؟ پھر بھی غنیمت ہے کہ نیک دل پڑوسی کسی حد تک ان کا خیال رکھتے ہیں۔"

"ہمارے پی جی ٹاور میں اچھے لوگ بھی ہیں' بُرے بھی... اور بُرے ایسے ہیں کہ دوسروں پر کیچڑ اچھال کر روحانی مسرتیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔"

وہ بولی۔ "روحانی نہیں' شیطانی مسرتیں حاصل کرتے ہیں۔ میرے خلاف بھی باتیں بنائی جاتی ہیں۔"

منصور نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ بولی۔ "یہ باتیں بنائی جا رہی ہیں کہ زبیدہ آپا کی اولاد بھی پوچھنے نہیں آتی۔ ان کے فلیٹ اور ایک دکان کی مالیت تقریباً اسی لاکھ روپے ہے۔ میں یہ سب ہتھیانے کے لئے ان کی خدمت میں پیش پیش رہتی ہوں۔"

وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔ "خدا کی پناہ... بے بنیاد الزام تراشی سے لوگوں کو ملتا کیا ہے؟"

"ایک کہاوت ہے' کتے بھونکتے رہتے ہیں اور کارواں گزرتا رہتا ہے... بھونکنے والے بھونکتے رہیں۔ ہم تو اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے۔ آپ کو بھی وہاں جانا چاہئے۔ مگر تنہا نہیں۔"

اس نے پھر خوش ہو کر شیریں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "جب بھی وہاں جانا ہو' مائلہ یا تجلی کو ساتھ لے جایا کریں۔ پھر سب کو چپ لگ جائے گی۔ کوئی آپ کو کسی طرح کا الزام نہیں دے گا۔"

وہ ذرا سر جھکا سا گیا۔ زبیدہ سے نہ ملنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ آئندہ کس منہ سے بہو یا بیٹی کو وہاں ساتھ جانے کے لئے کہتا؟ بس ایک شیریں کا آسرا تھا۔ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ... تم یہ حلوہ دینے وہاں جاؤ گی؟"

"وہ تو میں صبح ہی دے آئی ہوں۔" وہ بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ اور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

(جاری ہے)

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

محی الدین نواب

قسط نمبر 6

جاذب کی ماں ستارہ بیگم اپنے بیڈروم میں گہری نیند سو رہی تھی۔ ایسے ہی وقت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتی ہوئی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر سائڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے لیمپ کو روشن کرکے شوہر کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "سنتے ہیں جی۔۔۔! اے جی! اٹھیں۔"

اس کے جھنجھوڑنے کا انداز ایسا تھا کہ وہ فوراً ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا گھر میں چور گھس آئے ہیں؟"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "چور آکر سب کچھ لوٹ کر لے جائیں۔ مجھے ایک ذرا افسوس نہیں ہوگا۔ مگر میرا جاذب۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ اسے چھین کر لے جا رہی ہے۔ ہائے میرا بچہ۔۔۔"

اس نے غصے سے پوچھا۔ "کون۔۔۔؟ ماٹکہ۔۔۔؟"

اس نے نفرت سے کہا۔ "ہاں۔ ہمارے اور بیٹے کے درمیان وہی ایک چڑیل ہے۔"

"آدھی رات کو وہ چڑیل کیوں یاد آرہی ہے؟ یوں اچانک اٹھ کر کیوں بیٹھ گئی ہو؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "وہ اب خوابوں میں بھی آکر ڈرانے لگی ہے۔ ابھی میں نے دیکھا وہ جاذب کو مجھ سے چھین کر لے جا رہی تھی۔ اس نے ہمارے بیٹے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اور۔۔۔ اور ان کے ہاتھ لہو میں تر بتر تھے۔"

"یہ تو واقعی تشویشناک خواب ہے۔ پھر کیا ہوا؟"

"پھر۔۔۔؟ پھر میری آنکھ کھل گئی۔"

اعظم خان نے دل ہی دل میں کہا۔ "یہی تو مسئلہ ہے جہاں ہماری آنکھیں کھلنی چاہئیں وہاں نہیں کھلتیں۔ ہم جاذب کو کچھ زیادہ ہی ڈھیل دے رہے ہیں۔"

وہ بستر سے اترتے ہوئے بولی۔ "اسے ڈھیل نہیں دے رہے ہیں۔ بھولانے کے معاملے میں خود ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ میں جاذب کو فون کرتی ہوں۔ اس سے کہتی ہوں ابھی اسی وقت گھر چلا آئے۔"

"ہاں۔ اس سے کہو ابھی آئے۔ ورنہ میں وہاں جاؤں گا اور اسے گھسیٹتا ہوا یہاں لاؤں گا۔"

وہ بیڈ سے اتر گیا۔ وہ بولی۔ "آپ آرام سے بیٹھیں۔ میں فون کر رہی ہوں۔"

"کیسے آرام سے بیٹھوں؟ تم نے اس لڑکی کے ہاتھ میں خون دیکھا ہے۔ جانتی ہو وہ کس کا خون تھا؟"

ستارہ نے سرہانے سے فون اٹھا کر کہا۔ "میں کیا جانوں کس کا خون تھا؟"

"میرا تھا۔ وہ دشمن ہے میرا لہو اچھالے گی۔ میری جان لے کر ہی دم لے گی۔"

"خدا نہ کرے۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔"

"میں کچھ نہیں کہہ رہا ہوں تمہارا خواب کہہ رہا ہے۔ بیوہ کہلانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"یا خدا! کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں ابھی فون کر رہی ہوں۔ اسے یہاں بلا رہی ہوں۔ پھر کبھی اس بلا کے پاس جانے نہیں دوں گی۔"

وہ فون پر نمبر پنچ کرنے لگی۔

ادھر شادی کے گھر میں رت جگا منایا جا رہا تھا۔ جاذب ہولے ہولے تھرک رہا تھا۔ دوسرے کزنز بھی تیز میوزک کی دھن پر ناچنے لگے۔ تالیاں بجانے لگے۔ کوئی بھنگڑے میں مست ہو گیا۔ کوئی لڈی ڈالنے لگا۔ چند منچلی لڑکیاں بھی اٹھ کر ان میں شامل ہو گئیں۔ جاذب نے ماٹکہ کو اشارہ کیا کہ وہ بھی اس کا ساتھ دے۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے انکار میں سر ہلانے لگی۔

گزشتہ رات بھی اس نے جاذب کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ عین موقع پر اپنی شرط سے مکر گئی تھی۔ اس ہلے گلے میں جاذب نے جھک کر ماٹکہ کی کلائی تھام لی۔ وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

اس نے پہلی بار اس کی کلائی کو ایسی مضبوطی سے پکڑا تھا جیسے ہمیشہ کے لئے جکڑ رہا ہو۔ وہ گرفت کہہ رہی تھی وہ اسے دنیا سے چھین لینے کی قوت رکھتا ہے۔ مگر اسی وقت رومانہ کے ابو کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جاذب نے فوراً ہی ماٹکہ کی کلائی چھوڑ دی۔ سب نے چونک کر لاؤنج کے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں کھڑے چیخ کر کہہ رہے تھے۔ "چھوٹے بڑے سب ہی مگن ہیں۔ ذرا وقت دیکھو۔۔۔ صبح کے پانچ بجنے والے ہیں اور یہ ہنگامہ۔۔۔ فوراً ریکارڈر بند کرو۔"

ان کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ریکارڈر خاموش ہو گیا۔ ثریا نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا پڑوس سے شکایت آئی ہے؟"

"وہ بے چارے تو شاید کانوں میں روئیاں ٹھونس کر سو گئے ہیں۔ پڑوس سے کوئی شکایت نہیں آئی ہے۔ ابھی ایسا لگا تھا جیسے فون کی گھنٹی بجتی رہی ہے۔ ذرا سی ایل آئی پر نمبر دیکھو۔۔۔"

وہ فون کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ نمبر چیک کرتی۔ گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو ستارہ آپا! اتنی رات گئے فون کر رہی ہیں۔ خیریت تو ہے نا۔۔۔؟"

سب ہی کی نگاہیں ثریا پر جم گئیں۔ جاذب ماں کا نام سن کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔ وہ دوسری طرف کی باتیں سن کر بولی۔ "ہاں۔ یہاں بہت شور تھا۔ کسی کو بیل کی آواز سنائی نہیں دی۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر بولی۔ "جاذب کا موبائل۔۔۔؟ پتہ نہیں۔ شاید بند ہو۔ یہ میرے پاس ہی کھڑا ہے۔ آپ اس سے بات کرلیں۔"

اس نے ریسیور جاذب کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہارا موبائل بند ہے؟"

وہ بولا۔ "اوشٹ۔۔۔ چارج کرنے کے لئے آف کیا تھا۔ آن کرنا بھول گیا۔"

اس نے ریسیور کان سے لگا کر سلام کیا۔ ستارہ بیگم سلام کا جواب دینے کے بجائے گرجتے برسنے لگی۔ اس نے کن انکھیوں سے تمام حاضرین کو دیکھا۔ پھر ان کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔ "پلیز۔ کول ڈاؤن۔۔۔ ایسا بھی کیا گناہ کر دیا ہے؟ شادی بیاہ کے گھر میں بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔"

"شادی کا تو بہانہ ہے۔ میں خوب سمجھ رہی ہوں۔ تم محلے کی اس لڑکی کے پہلو سے لگے بیٹھے ہو گے۔ اسی نے موبائل فون آف رکھنے کو کہا ہوگا۔ تاکہ ماں کی آواز بیٹے تک پہنچ نہ سکے۔ کچی عمر ہے۔ بیٹیاں پڑھانا خوب جانتی ہے۔"

وہ غصے کو ضبط کر رہا تھا۔ کنپٹی پر انگلی کو دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ "حقیقت میرا خدا جانتا ہے۔ میں آپ کو یقین نہیں دلاؤں گا۔ آپ وہ بات کریں جس کے لئے فون کیا ہے۔"

پیچھے خواتین کے درمیان چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ماٹکہ بھی اسے سوالیہ نظروں سے ادھر دیکھ رہی تھی۔ سب ہی کو تشویش تھی کہ ستارہ آپا نے اتنی رات گئے فون کیوں کیا ہے؟ ان کے کانوں تک جاذب کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ ثریا سے پوچھ گچھ کر رہی تھیں۔ وہ شانے اچکا کر بولی۔ "انہیں بیٹے سے کوئی کام ہوگا۔"

ادھر ستارہ نے فون پر کہا۔ "بات یہی ہے کہ ابھی اسی وقت گھر پہنچو۔"

اس نے چونک کر پوچھا۔ "اس وقت۔۔۔؟ وہاں سب خیریت تو ہے؟"

اعظم خان کی کڑکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "بے فکر رہو۔ ہم ابھی اوپر جانے والے نہیں ہیں۔ تم تو یہی چاہتے ہو گے کہ ہم مر جائیں۔ راستے کا کانٹا صاف ہو جائے۔"

اس نے ایک گہری سانس یوں باہر پھینکی جیسے اندر کا غبار باہر نکال رہا ہو۔ پھر فون پر کہا۔ "میں صبح آسکوں گا۔"

پھر اس کی کڑک دار آواز سنائی دی۔ "ابھی کا مطلب ہے ابھی۔۔۔"

"لیکن مسئلہ کیا ہے؟ مجھے اس طرح کیوں بلایا جا رہا ہے؟"

وہ اسے ستارہ بیگم کا خواب سناتے ہوئے بولا۔ "اپنی ممی کی پریشانی کو سمجھو اور گھر چلے آؤ۔"

اس نے سر گھما کر ماٹکہ کو دیکھا۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔ مگر سمجھ نہیں پا رہی تھی فون پر کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ جاذب نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ ثریا نے پوچھا۔ "کیا ہوا جاذب۔۔۔؟"

"ممی نے بلایا ہے۔ مجھے ابھی گھر جانا ہوگا۔"

سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ تائی اماں نے پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔۔۔؟"

رومانہ کے ابو نے کہا۔ "ایسی کیا ایمرجنسی ہو گئی کہ اس وقت بلایا جا رہا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "پریشان نہ ہوں۔ کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔"

وہ بائیک کی چابی اٹھانے کے لئے ڈیکوریشن کی طرف آیا۔ وہاں ماٹکہ کھڑی سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس سے کتراتا ہوا چابی اٹھا کر جانے کے لئے پلٹ گیا۔ رومانہ نے کہا۔ "صبح چلے جاتے۔"

وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ماٹکہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "آسمان والا اپنی بات منوانے کے لئے مجھے ان کی چھوٹی بڑی باتیں ماننی پڑتی ہیں۔"

وہ سب کو خدا حافظ کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد رونقیں بجھ گئیں۔ سب ہی اپنے اپنے بستر سنبھالنے لگے۔ ماٹکہ نے رومانہ سے کہا۔ "بہت رات ہو گئی ہے۔ مجھے بھی جانا چاہئے۔"

وہ اس کی بجھی ہوئی صورت دیکھ کر بولی۔ "تم تو ایسے اداس ہو گئی ہو جیسے وہ ہمیشہ کے لئے چلا گیا ہے۔"

اس نے ایک گہری سانس لے کر سہیلی کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تمہیں لگتا ہے وہ اپنے والدین سے اپنی بات منوا سکیں گے؟"

"کیوں نہیں۔۔۔؟ وہ تمہاری خاطر ہی تو ان کی باتیں مانتا رہتا ہے۔"

اس نے گہری اداسی سے کہا۔ "پتہ نہیں کیوں۔۔۔ میرا دل کہتا ہے وہ ہار جائیں گے۔ ابھی سب نے پوچھا تھا اگر ان کی ممی اور ڈیڈی نہ مانے تو وہ کیا کریں گے؟ تم نے دیکھا تھا اتنے اہم سوال کو انہوں نے کیسے مذاق میں اڑا دیا تھا؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ تمہارا دل نہیں۔ تمہارے اندیشے بول رہے ہیں۔ تمام وسوسوں کو نکال کر گھر جاؤ۔ خدا بہتر کرے گا۔"

وہ منہ پھیر کر سوچتی ہوئی گھر جانے لگی۔ بے شک۔ خدا وہی کرتا ہے جو بہتر ہوتا ہے اور اس بہتری میں کوئی جیتنے والا تھا کوئی ہارنے والا تھا۔

وہ فلیٹ کے دروازے پر آکر رک گئی۔ وہ اندر سے مقفل تھا۔ بھتی نے کہا تھا نہ جانے کتنی رات کو واپس آؤ گی؟ کال بیل بجاؤ گی تو تمہارے میاں کی نیند خراب ہوگی۔ ایسا کرنا مجھے مس کال کرنا۔ میں آکر دروازہ کھول دوں گی۔

واقعی بہت دیر ہو گئی تھی۔ مسجد کے مائیک کی کھڑ کھڑاہٹ کے بعد اذان سنائی دینے لگی۔ اس نے بھتی کو مس کال کی۔ وہ منظور کے ساتھ گہری نیند میں تھی۔ ان کے درمیان رکھے ہوئے فون کی کالنگ ٹون ابھر کر بند ہو گئی۔

ماٹکہ دروازے سے لگی انتظار کرنے لگی۔ اذان کی آواز گونج رہی تھی۔ منصور احمد نماز کے لئے اٹھ گیا۔ بیڈ سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا واش روم میں چلا گیا۔

ماٹکہ زیر لب بڑبڑائی۔ "بے چاری بھابی۔۔۔ تھکی ماندی سو رہی ہوں گی۔ کیا کروں؟ بیل کا تو ہوگا۔"

اس نے پھر مس کال کی۔ وہ دونوں قلم دیکھ کر آئے تھے۔ ایک دوسرے کو پیار بھرے فلمی سین میں دیکھ رہے تھے۔ فون سے کالنگ ٹون سنائی دے رہی تھی۔ وہ ٹون خواب میں موسیقی بن گئی تھی۔ وہ جھوم رہے تھے رقص کر رہے تھے۔ منظور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے منظور کو دیکھا۔ وہ نیند میں مست تھا۔ وہ شوخی سے میاں کو دیکھنے لگی۔ ایسے میں کالنگ ٹون نے چونکا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ "ہائے ماٹکہ ہوگی۔"

اس نے فون اٹھا کر اس کے نمبر پڑھے۔ پھر بیڈ سے اتر کر بڑبڑانے لگی۔ "آتی ہوں۔ آتی ہوں۔ پتہ نہیں کب سے کال کر رہی ہے؟ یہ تو مجھے خواب میں بھی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ آئی بہنا! آئی۔۔۔"

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر جانا چاہتی تھی۔ پھر ایکدم سے رک گئی۔ منصور احمد ٹوپی پہنتا ہوا اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ وہ بیڈ کی طرف واپس آتے ہوئے بڑبڑائی۔ "ڈوپٹہ۔۔۔؟"

وہ ڈوپٹہ ڈھونڈنے لگی۔ کہاں گیا؟ وہ سوچنے لگی۔ اس نے تصور میں دیکھا۔ میاں بیوی رومانس کے موڈ میں تھے۔ منظور نے اس کا ڈوپٹہ پکڑ کر کھینچا تھا۔ وہ اسے لینا چاہتی تھی اور وہ ڈوپٹے کو ادھر سے ادھر لہرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ لگنے نہیں دے رہا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ غصہ بھی دکھا رہی تھی۔ منظور نے ڈوپٹے کو اچھالا تو وہ لہراتا ہوا پرواز کرتا ہوا سیلنگ فین پر جا کر اٹک گیا۔

اس نے تصور سے چونک کر دیکھا۔ وہ ڈوپٹہ پنکھے سے لٹک رہا تھا اور اسے لٹکانے والا گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ بڑے پیار سے شوہر کو دیکھنے لگی۔

ادھر منصور احمد نے مسجد جانے کے لئے دروازہ کھولا تو بیٹی کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ "تم یہاں کھڑی ہوئی ہو۔ نہ بیل بجا رہی ہو۔ نہ دستک دے رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "وہ ابا میاں! آپ کی نیند خراب ہو جاتی اس لئے بھابی کو مس کال کر رہی تھی۔"

"میری نیند کو کیا ہوتا؟ میں تو نماز کے لئے اٹھتا ہی ہوں۔"

"جی۔ وہ میں بھول گئی تھی کہ آپ نماز کے لئے اٹھے ہوں گے۔"

"اچھا جاؤ۔ اندر جاؤ۔"

وہ جانے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ "سنو۔۔۔!"

وہ دروازے سے اندر آکر رک گئی۔ باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس نے دور الفت کی طرف دیکھا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی زبیدہ آنٹی کے پاس گئی تھیں؟"

"نہیں۔ دراصل وقت ہی نہیں ملا۔"

"ناچنے گانے کی خوشیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ کسی بیمار کی آہ و زاری سنائی نہیں دیتی۔"

"سوری ابا میاں! کل کسی وقت جاؤں گی۔"

"کل تو ہو گئی۔ اذان نہیں سنی؟ کل گزر گیا اور آنے والا کل آج ہو گیا۔"

"جی۔ میں آج ہی جاؤں گی۔"

بھتی دروازے پر آکر سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کہاں جاؤ گی؟"

وہ بولی۔ "ابا میاں زبیدہ آنٹی کے پاس جانے کو کہہ رہے ہیں۔"

بھو نے سسر کو شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ اس سے نظریں چراتا ہوا سر پر ٹوپی درست کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

بھتی نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "ابا میاں کو بھی ضد ہی اچھی لگتی ہے۔ تمہارے بھائی جان نے رات کو ہی سمجھایا تھا کہ زبیدہ آنٹی کی فکر نہ کریں۔ ان کا نام بھی زبان پر نہ لائیں۔ مگر یہ باز نہیں آتے۔"

"ہم ان کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ کوئی آنٹی کی دیکھ بھال کرنے والی مل جائے تو ان کی فکر اور پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔"

وہ بولتی ہوئی بھتی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی۔ بھتی نے کہا۔ "چھوڑو ان باتوں کو۔ مایوں کا فنکشن کیسا رہا؟"

وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ٹھیک ہی رہا۔"

بھتی نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا جاذب نہیں آیا؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ اس نے بڑے تجسس سے پوچھا۔ "پھر۔۔۔؟"

ماٹکہ تھکے ہوئے انداز میں لیٹتے ہوئے بولی۔ "پھر کچھ نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا؟"

ساری رات ہم ہنستے بولتے رہے۔ ابھی کی محترمہ نے فون پر حکم دیا کہ گھر آجاؤ اور وہ یہاں بھی نہ کر سکے۔ ہنستا بولتا فنکشن چھوڑ کر چلے گئے۔"

"میں نے پہلے بھی سمجھایا ہے ماٹکہ! اس پر تکیہ نہ کرو۔ ماں باپ لٹو کی طرح جدھر نچاتے ہیں وہ ادھر ناچتا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ وہ مصلحت سے کام لے رہے ہیں۔ اشارے میں کہہ گئے ہیں اپنی بات منوانے کے لئے ان کی چھوٹی بڑی باتیں ماننی پڑیں گی۔"

"تمہیں یقین ہے وہ انہیں منا لے گا؟"

"میں کیا بولوں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کے ممی ڈیڈی ساری رات کیا کھچڑی پکاتے رہے؟ صبح ہونے سے پہلے ہی بیٹے کو بلا لیا۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ستارہ آنٹی میرے خلاف کچھ کر رہی ہیں۔"

"اور تمہیں مخالفت سے بچانے والا ایک ہی ہے۔ میری بات مانو اس ایک سے زیادہ امیدیں وابستہ نہ کرو۔"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "میں نے شدت سے چاہنے والیوں کے دل ٹوٹتے دیکھے ہیں۔ عورت کا دل ٹوٹے تو کوئی آواز بھی نہیں کرتا۔ مرد کے ہاتھ سے جام چھوٹے تو شور برپا ہو جاتا ہے۔"

وہ کمرے سے جانے لگی۔ پھر دروازے پر رک گئی۔ نند بھاوج نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر بھاوج نے کہا۔ "جو نہ سوچو وہ ہو جاتا ہے۔ میری بات مانو۔ ابھی سے دل مضبوط کرتی رہو۔"

وہ چلی گئی۔ ماٹکہ خالی دروازے کو تکتی رہی۔

☆☆☆

پتہ نہیں کتنا وقت گزر چکا تھا؟ فون کے بزر نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ اس نے فوراً ہی اسے اٹھا کر ننھی سی اسکرین پر نمبر دیکھے۔ جاذب کال کر رہا تھا۔ وہ فون کو کان سے لگاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ "تھینکس گاڈ۔۔۔! آپ نے فون تو کیا۔ بولیں کیا حال ہے۔۔۔؟ میں نے آپ کو کال کرنی چاہی تھی۔ مگر آپ کا موبائل مسلسل آف جا رہا تھا۔"

"ممی کی وجہ سے آف کیا ہوا تھا۔ ابھی موقع ملا ہے تو تم سے بات کر رہا ہوں۔"

"آخر معاملہ کیا ہے؟ میں رات سے الجھی ہوئی ہوں۔ پلیز کچھ تو بتاؤ۔ انہوں نے آپ کو اس طرح کیوں بلایا تھا؟"

"ان کے دل و دماغ میں ہمارا ہی معاملہ اٹکا رہتا ہے۔ اسی حوالے سے انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا۔"

وہ اسے تفصیل سنانے لگا۔ وہ پریشان ہو کر سننے لگی۔ ستارہ بیگم نے ماٹکہ کے اور اپنے بیٹے کے ہاتھوں میں خون دیکھا تھا۔

اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟

لہو کا رنگ ایک ہی ہوتا ہے۔

سرخ۔۔۔

لیکن یہ سفید ہو جاتا ہے جب لہو کے رشتے ایک دوسرے سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

یہ لہو رگوں میں دوڑتا ہے۔

غصہ کی گرمی ہو تو آنکھوں میں اتر آتا ہے۔

اس کی رفتار نارمل ہوتی ہے۔

کوئی پیار سے پکڑے تو تیز رفتار ہو جاتا ہے۔

انسان مر جاتا ہے لہو نہیں مرتا۔

یہ نسل در نسل زندہ و پائندہ رہتا ہے۔

خواب یہ تھا کہ پیار کرنے والوں کے ہاتھ لہو میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اللہ۔۔۔ وہ محبوب کے نام کی مہندی کہاں لگائے گی؟

خواب سوالیہ نشان بن گیا تھا۔

ماٹکہ نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ تو واقعی عجیب سا خواب ہے۔"

"عجیب ہے۔ مگر ایک بات کہہ دیتا ہوں کہ ہم ایک ہو کر رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں روک نہیں پائے گی۔ بس وہ خون تشویش میں مبتلا کر رہا ہے۔ پتہ نہیں اس کا کیا مطلب ہوگا۔۔۔؟"

وہ تھوڑی دیر تک اسی موضوع پر بحث کرتے رہے۔ پھر ماٹکہ نے پوچھا۔ "آپ یہاں کب آئیں گے؟ رات کو مہندی لے کر جانا ہے۔"

"دن بھر نیند پوری کرکے شام تک آسکوں گا۔ اگر دیر ہو گئی تو ڈائریکٹ یہاں سے تیار ہو کر دولہا کے گھر پہنچوں گا۔"

"اور آپ کے ممی ڈیڈی۔۔۔؟"

"میرے اور ان کے درمیان تھوڑی ناچاقی ہو گئی ہے۔ وہ شاہ زیب کے ساتھ وہاں جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب آپ نیند پوری کریں۔ رات کو ملاقات ہوگی۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ فون بند کرکے سوچ میں پڑ گئی۔ ستارہ بیگم کے خواب نے بُری طرح الجھا دیا تھا۔

☆☆☆

شام کی مہندی تھی۔ تقریب کی رنگینیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ماٹکہ آتشی رنگ کے کامدار جوڑے میں گلاب کی کلی لگ رہی تھی۔ شانے پر پھیلی ہوئی ریشمی زلفیں اسے مزید دلکش بنا رہی تھیں۔ وہاں سب ہی لڑکیوں نے مہندی اٹینڈ کرنے کے لئے اپنے روپ رنگ کو نکھارا تھا۔ لیکن اس کی تو ساری سج دھج، سارا بناؤ سنگھار صرف اور صرف جاذب کے لئے تھا۔

ہاتھوں میں کھنکتی ہوئی چوڑیاں، پیروں میں چھنکتی ہوئی نازک سی پائل، کانوں میں جھولتے ہوئے جھمکے۔۔۔ محبوب کو گھائل کرنے کے سب ہی ہتھیار موجود تھے۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام تر تیاریاں پھیکی پڑنے لگیں۔ اس نے ایئرفون کو کان سے ہٹاتے ہوئے زیر لب کہا۔ "تو بہ ہے۔ ٹرائی لیٹر۔۔۔ ٹرائی لیٹر۔۔۔ یہ کتنی لمبی نیند لے رہے ہیں؟"

رومانہ کی ایک کزن اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔ "کیا ہوا ماٹکہ۔۔۔! تمہارا مجنوں کب تک سوتا رہے گا؟"

"پتہ نہیں۔۔۔ ان کا نمبر مسلسل آف جا رہا ہے۔ مجھے تو تشویش ہونے لگی ہے۔"

پھر وہ دور تک نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ "ستارہ آنٹی، اعظم انکل اور شاہ زیب بھی اب تک نہیں پہنچے ہیں۔"

"ہاں۔ رسم بھی ہو چکی ہے۔ شاید وہ نہ آئیں۔"

وہ دوبارہ نمبر پنچ کرکے فون کو کان سے لگاتے ہوئے بولی۔ "نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

اس نے فون کو پھر بیزاری سے دیکھا۔ کزن نے کہا۔ "تم شاہ زیب کے نمبر پر ٹرائی کرو۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "آنٹی اور انکل مائنڈ کریں گے۔ میں شاہ زیب کو تو کیا ان کے گھر کے نمبر پر بھی کال نہیں کر سکتی۔"

پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ رسم کے بعد کھانے پینے کا دور شروع ہو گیا تھا۔ سب ہی اپنے آپ میں مگن تھے۔ لیکن ماٹکہ کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر رومانہ کو فون کیا۔ اسے اپنی پریشانی بتاتے ہوئے کہا۔ "پلیز تم شاہ زیب سے معلوم کرو۔ جاذب کہاں ہے؟ اس کا نمبر کیوں بند ہے؟"

وہ بولی۔ "تم نے بتایا تھا ماں بیٹا ایک دوسرے سے ناراض ہیں۔ ہو سکتا ہے پھر کوئی بات ہو گئی ہو۔ اسی لئے انکل آنٹی وغیرہ بھی نہیں آرہے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ کم از کم وہ ایک منٹ کی کال کرکے مجھے انفارم تو کر سکتے ہیں۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ وہ اپنے نمبر کو اتنی دیر تک آف نہیں رکھیں گے۔ وہاں ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ پلیز تم شاہ زیب سے بات کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں تھوڑی دیر بعد کال کرتی ہوں۔" رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔

(جاری ہے)

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

محی الدین نواب

قسط نمبر 7

ایک کزن پلیٹ میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں لاکر اسے دیتے ہوئے بولی۔ "جب سے آئی ہو۔ فون سے چپکی ہوئی ہو۔ کم از کم کھانا تو کھالو۔"

وہ انکار کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔ تم کھاؤ۔"

"ابھی سدرہ نے بتایا ہے' تم جاذب اور اس کے ممی ڈیڈی کی وجہ سے پریشان ہو۔ اگر اپنے نمبر سے شاہ زیب کو کال نہیں کرنا چاہتیں تو لو۔ میرا موبائل یوز کرلو۔"

اس نے اپنا فون نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ بولی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے رومانہ سے کہا ہے۔ وہ اس سے بات کررہی ہے۔ ابھی مجھے کال کرکے وہاں کے حالات بتائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد ہی فون کا بزر بولنے لگا۔ رومانہ کال کررہی تھی۔ اس نے فوراً ہی ایک بٹن دبا کر فون کو کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "ہاں۔ بولو... شاہ زیب سے بات ہوئی...؟"

"پتہ نہیں کیا بات ہے؟ دونوں بھائیوں کے نمبر آف مل رہے ہیں۔ گھر کے فون پر ٹرائی کرتی رہی۔ وہاں بیل جارہی ہے۔ مگر کوئی ریسیو نہیں کررہا ہے۔"

اس نے پریشان ہوکر کہا۔ "آخر ایسا کیا ہوگیا ہے؟ وہ سب کہاں چلے گئے ہیں؟"

رومانہ نے کہا۔ "تم فون امی کو دو۔ میں ان سے بات کرتی ہوں۔"

بات رفتہ رفتہ پھیلتی چلی گئی۔ سب ہی تشویش میں مبتلا ہوگئے تھے۔ اپنے اپنے طور پر قیاس آرائیاں کررہے تھے۔ رومانہ کے ابو نے کہا۔ "رسم سے پہلے ستارہ آپا سے میری بات ہوئی تھی۔ انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ سیدھی دولہا والوں کی طرف آئیں گی۔ پھر اب تک پہنچی کیوں نہیں ہیں؟"

دو لڑکے بائیک نکال کر ان کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی انہوں نے واپس آکر بتایا کہ وہاں تالا پڑا ہوا ہے۔ پڑوسیوں نے بھی ان کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

پریشانی مزید بڑھ گئی۔ تقریب اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ وہ دولہا والوں سے رخصت ہوکر گھر چلے آئے۔ خاندان کے ایک گھرانے کا یوں اچانک لاپتہ ہوجانا سب ہی کے دلوں میں اندیشے پیدا کررہا تھا۔ شادی کے گھر میں سناٹا چھا گیا تھا۔ کزنز میں سے کوئی شاہ زیب اور جاذب کے دوستوں کی طرف چلا گیا اور چند لڑکے انہیں تلاش کرنے کے لئے علاقے کے ہسپتالوں میں پہنچ گئے۔

وہاں بچے بوڑھے سب ہی افسردہ ہوگئے تھے۔ دولہا والے بھی مسلسل رابطے میں تھے۔ فون کے ذریعہ معلوم کررہے تھے کہ غائب ہونے والوں کی کوئی خیر خبر ملی یا نہیں؟ مائدہ' رومانہ سے لگی بیٹھی تھی۔ چھپ چھپ کر آنسو بہا رہی تھی۔ رومانہ اسے تھپکتے ہوئے بولی۔ "خیر کی دعا مانگو۔ انشاء اللہ انہیں کچھ نہیں ہوگا۔"

وہ سسکتے ہوئے بولی۔ "تم مانو یا نہ مانو... یہ ساری آفت اسی منحوس خواب کی لائی ہوئی ہے۔ اللہ انہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میرا تو دل ڈوب رہا ہے۔"

نانی اماں نے خواتین اور تمام لڑکیوں سے کہا۔ "اے چلو... سب اٹھ کر وضو کرو اور "یاسلام" کا ورد شروع کرو۔ اس کی برکت سے تمام آفتیں ٹل جاتی ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں گے۔ خیریت سے ہوں گے اور انشاء اللہ جلد ہم سے رابطہ کریں۔"

وہ سب ہی نانی کے حکم کے مطابق تسبیح خوانی میں مصروف ہوگئیں۔ دولہا کے والدین بھی چند بزرگوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے تھے۔ سب ہی ان کی خیریت کے لئے دعائیں کررہے تھے۔

ایسے وقت رومانہ کے ابو کے فون کا بزر سنائی دیا۔ وہ اسکرین کو غور سے دیکھ کر فوراً ہی کال ریسیو کرتے ہوئے بولے۔ "شاہ زیب کال کررہا ہے..."

یہ ایسی خبر تھی کہ سب ان کی طرف کھنچے چلے آئے۔ مائدہ کا دل جاذب کی خیر خبر سننے کے لئے مچل رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو انکل کے فون سے کان لگاکر وہ بھی اس طرف کی باتیں سنتی رہتی۔

وہ ان کی خیریت دریافت کررہے تھے۔ پھر ایکدم سے اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ ان کے ساتھ دوسرے افراد بھی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ وہ شدید پریشانی سے کہہ رہے تھے۔ "او گاڈ...! اتنی بڑی بات ہوگئی۔ تم نے فوراً ہی ہمیں انفارم کیوں نہیں کیا...؟ ابھی کس ہاسپٹل میں ہو...؟"

"ہاسپٹل...؟"

سب ہی نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر انہیں دیکھنے لگے۔ مائدہ کے ہاتھوں پیروں سے جیسے جان نکل گئی۔ اس نے رومانہ کو تھام لیا۔ ادھر وہ فون پر کہہ رہے تھے۔ "ڈونٹ وری بیٹا...! ہم... ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔ بس ابھی آرہے ہیں...."

انہوں نے رابطہ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "جاذب اپنی بائیک پر ادھر آرہا تھا۔ عائشہ منزل کے قریب اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔"

مائدہ کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ "ہائے جاذب! تم سانس لے رہے ہو یا نہیں؟"

پاس بیٹھی ہوئی کزن نے اسے سکتے کی حالت میں دیکھا تو اس کی پیٹھ پر ایک دھپ جمائی۔ تب اس نے ایک لمبی سانس کھینچی۔ ایسی خبریں تو جان نکال لیتی ہیں۔

اچانک ہی اتنی بری خبر سننے کو مل رہی تھی۔ سب ہی نے دل تھام لئے۔ اپنے اپنے طور پر تشویش کا اظہار کرنے لگے۔ رومانہ کے ابو گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولے۔ "اسے آغا خان کے ایمرجنسی وارڈ میں پہنچایا گیا ہے۔ ہمیں ابھی وہاں جانا ہوگا۔"

رومانہ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ "جاذب خیریت سے تو ہے؟"

وہ جاتے جاتے پلٹ کر بولے۔ "وہاں اعظم بھائی' ستارہ آپا اور شاہ زیب سب ہی بدحواس ہیں۔ میں جاکر معلوم کرتا ہوں۔"

دوسرے مرد حضرات اور دولہا کے والدین بھی ہاسپٹل جانے کے لئے اپنی اپنی گاڑیوں میں آکر بیٹھ گئے۔ بیشتر خواتین ان کے ساتھ تھیں۔ تمام کزنز بھی اپنی اپنی بائیکس نکال کر شور مچاتے ہوئے وہاں سے جانے لگے۔ رات گئے پُرسکون ماحول کے پارکنگ ایریا میں گاڑیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پھر وہ سب ہی ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے ہاسپٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔

☆☆☆

ہاسپٹل کے اس روم میں خاندان والوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ستارہ بیگم اور اعظم خان انہیں بتا رہے تھے کہ جاذب کو گہرے زخم آئے ہیں۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے کے باعث اسے بلڈ مہیا کیا جارہا ہے۔ شاہ زیب ڈاکٹری نسخوں کو لے کر مختلف میڈیکل اسٹورز کے چکر لگا رہا تھا۔

ثریا نے ستارہ بیگم سے کہا۔ "خدا کا شکر ہے جاذب اب خطرے سے باہر ہے۔ آپ بھی گھر چل کر ذرا آرام کرلیں۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے یہاں اعظم بھائی اور شاہ زیب کے علاوہ دوسرے لڑکے بھی موجود رہیں گے۔"

وہ بستر پر لیٹے ہوئے بیٹے کو دیکھ کر بولی۔ "اسے ایسی حالت میں چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں؟"

فوری طبی امداد اور ڈاکٹرز کی بھرپور توجہ نے اس حد تک توانائی بحال کی تھی کہ وہ نیم وا آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اس نے بہت ہی نحیف آواز میں دھیرے سے کہا۔ "یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ما... آپ ان کے گھر چلی جائیں۔ آرام کریں۔ مم... میں ٹھیک ہوں۔"

دوسرے افراد نے بھی ثریا کی تائید کی۔ وہ ایک ڈرامائی بحث کے بعد قائل ہوکر ان کے ساتھ گھر چلی آئی۔ وہاں مائدہ سے سامنا ہوا تو اس نے شدید ناگواری سے یوں منہ بنالیا' جیسے دانتوں تلے کڑوا بادام آگیا ہو۔ وہ ایک تخت پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اس لڑکی سے کہو وہ میرے سامنے نہ آئے۔ جو ہوا ہے اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

"اس کی وجہ سے...؟" کئی خواتین پُرتجسس انداز میں اس کے گرد جمع ہوگئیں۔ وہ مائدہ سے متعلق اس خواب کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہوئے بولی۔ "کیا بتاؤں؟ ہماری تو خوشیاں چھن گئی ہیں۔ اس لڑکی کی وجہ سے گھر میں فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ بیٹا ماں باپ سے بدظن ہوتا جارہا ہے۔ لیکن ہم نے بھی پتھر کی لکیر کھینچی ہے۔ اس کے ڈیڈی اپنے فیصلے سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔"

اس نے آخری دو فقرے بلند آواز میں ایسے کہے' جیسے دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی مائدہ کو سنا رہی ہو۔ اس نے پریشان ہوکر رومانہ کو دیکھا۔ وہ اس کے ہاتھ کو تھپکنے لگی۔

ادھر ستارہ بیگم کہہ رہی تھی۔ "کل رات مہندی میں آنے سے پہلے بھی ہمارے درمیان تُو تُو میں میں ہوتی رہی تھی۔ کچھ اس خواب کی نحوست ہے۔ کچھ اس جھگڑے کی... دیکھ لو... میرے جگر کا ٹکڑا ہاسپٹل میں پڑا ہوا ہے۔ پچھلے چھ برسوں سے بائیک چلانے والا اچانک ہی اناڑی کیسے ہوگیا...؟"

وہ خاموش ہوکر ایک ایک کی صورت تکنے لگی۔ پھر سر ہلاکر بولی۔ "ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ یہ لڑکی ہمارے لئے بھاری ہے۔ جس کے ڈر سے اتنا بڑا حادثہ ہوجائے اسے بیاہ کر لانے کے بعد کیا کیا نہیں ہوگا؟"

وہ بول رہی تھی۔ مائدہ کو سنانے کا موقع ملا تھا۔ لفظوں کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔ بولتے بولتے تھکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

مائدہ کے دل پر بوجھ بڑھ گیا تھا۔ آج جاذب سے فون پر باتیں ہوئی تھیں۔ اس نے بتایا تھا کہ رات کو ماں بیٹا کے درمیان اچھی خاصی تکرار ہوتی رہی تھی۔ اسی ٹینشن کے باعث وہ مہندی میں نہیں آرہا تھا۔ گھر والوں کے جانے کے بعد کمرے میں اندھیرا کرکے چپ چاپ لیٹ گیا تھا۔ اپنے حالات پر غور کرتا رہا تھا۔ پھر آدھے گھنٹے بعد یہ اطلاع ملی کہ اسے ہاسپٹل پہنچایا گیا ہے۔

ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مائدہ کچھ بے چین سی ہوگئی تھی۔ اسے اپنا آپ بوجھ سا لگ رہا تھا۔ کانوں میں ستارہ بیگم کی آواز گونج رہی تھی۔ "یہ لڑکی منحوس ہے۔ اس نے میرے بیٹے کو ہاسپٹل پہنچادیا ہے..."

فون کے بزر نے اسے چونکادیا۔ شاہ زیب کال کررہا تھا۔ اس نے فون کو کان سے لگاکر کہا۔ "ہیلو...!"

ٹریفک کے شور کے ساتھ اس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو مائدہ...! تمہاری بہت ضرورت ہے۔ میں دس منٹ میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔ کسی کو اطلاع کئے بغیر نیچے پارکنگ ایریا میں چلی آؤ۔"

اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "مگر بات کیا ہے؟ کہاں جانا ہے؟"

"اس وقت راستے میں ہوں۔ زیادہ باتیں نہیں کرسکتا۔ جاذب سے ملنا چاہتی ہو تو فوراً نیچے پہنچو..."

جاذب سے ملنے کی بات تھی۔ اسے تو جیسے پر لگ گئے۔ وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ رومانہ نے پوچھا۔ "کون تھا؟"

اس کمرے میں ان کے علاوہ دوسری لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ وہاں بول نہیں سکتی تھی۔ وہ چپ چاپ رومانہ کا ہاتھ تھام کر گیلری میں آگئی۔ اسے سرگوشی میں تفصیل بتانے لگی۔ وہ بھی حیرت میں مبتلا ہوگئی تھی۔ پھر بولی۔ "ضرور کوئی ایمرجنسی ہے۔ تم چلی جاؤ۔ میں فون کے ذریعہ تم سے رابطہ رکھوں گی۔"

وہ پریشان ہوکر بولی۔ "تمہاری ستارہ آنٹی کو پتہ چل گیا تو وہ..."

وہ بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "انہیں کون بتائے گا؟ بس تم چپ چاپ نکل جاؤ۔ امی پوچھیں گی تو کہہ دوں گی کہ گھر چلی گئی ہو۔ فکر نہ کرو۔ کوئی نہ کوئی بات بنادوں گی۔"

وہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی سب سے نظریں بچاکر گھر سے باہر آگئی۔ پھر لفٹ کا انتظار کئے بغیر تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے جانے لگی۔ آخری پائدان پر پہنچی ہی تھی کہ شاہ زیب اپنی کار میں وہاں پہنچ گیا۔ اس کی سوالیہ نظروں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "فاسٹ بیٹھو۔ راستے میں باتیں ہوں گی۔"

وہ جیسے کچے دھاگے سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "جاذب ٹھیک تو ہیں ناں؟"

"خدا کا شکر ہے' خطرے سے باہر ہے۔ لیکن..."

اس نے کار اسٹارٹ کی۔ پھر اسے آگے بڑھادیا۔ مائدہ نے تڑپ کر پوچھا۔ "لیکن کیا؟ میں نے نہیں سنا۔ پھر بولو...؟"

وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اس کا بلڈ گروپ نہیں مل رہا ہے۔ اس نے تمہیں بلایا ہے۔"

شادی کے گھر میں آنے والی سب ہی مہمان بچیاں تتلی کی فرینڈز بن گئی تھیں۔ دن بھر اس کے ساتھ کھیلتی رہتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ سب چھپن چھپائی کھیل رہی تھیں۔ تتلی ایک ستون کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ انہیں کار میں جاتے ہوئے دیکھ کر زیر لب بولی۔ "ارے مائدہ باجی اور شاہ زیب بھائی کے ساتھ...؟ جاذب بھائی کہاں گئے؟"

پھر وہ ذرا سوچنے کے بعد بولی۔ "ڈراموں میں یہی ہوتا ہے۔ ہیروئن کے ساتھ ہیرو بدلتے رہتے ہیں۔"

وہ انہیں دور جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

☆☆

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ثریا نے ریسیور اٹھاکر کان سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ "ہیلو کون...؟"

"ہم اعظم خان بول رہے ہیں۔ ستارہ سے بات کراؤ۔"

اس نے ستارہ بیگم کی طرف ریسیور بڑھایا۔ وہ اسے کان سے لگاکر بولی۔ "ہاں بولیں۔ جاذب کیسا ہے؟"

"ابھی ڈاکٹر نے کہا ہے' اسے مزید ایک بوتل خون کی ضرورت ہے۔ کئی بلڈ بینکوں سے رابطہ کیا گیا ہے۔ لیکن کہیں او نیگیٹو خون نہیں مل رہا ہے۔"

اس نے پریشان ہوکر پوچھا۔ "تو پھر...؟"

"ڈاکٹرز کوشش کررہے ہیں۔ شاید کہیں بات بن جائے۔ فی الحال میں رقم نکلوانے کے لئے بینک آیا ہوں۔"

"شاہ زیب کہاں ہے؟"

"وہ اپنے بھائی کے پاس ہاسپٹل میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ ختم کردیا۔ پھر شاہ زیب کے نمبر پنچ کرکے انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "ہاں... تمہارے ڈیڈی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے بتایا ہے' تمہارے بھائی کو مزید خون کی ضرورت ہے؟ تم کہاں ہو؟ یہ ٹریفک کا شور...؟ کیا ہاسپٹل میں نہیں ہو؟"

"بلڈ کے لئے ہی نکلا ہوں۔ تقریباً انتظام ہوگیا ہے۔ راستے میں ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ اللہ حافظ..."

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ ثریا اور دیگر خواتین کو تمام صورتحال بتانے لگی۔ ایسے وقت تتلی بھی اپنی فرینڈز کے ساتھ وہاں پہنچ گئی۔ شاہ زیب کا نام سنتے ہی بولی۔ "میں نے تھوڑی دیر پہلے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

ستارہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔ "کہاں دیکھا تھا؟"

"یہیں۔ نیچے پارکنگ میں... وہ کار میں مائدہ باجی کے ساتھ تھے۔"

"مائدہ کے ساتھ...؟"

جیسے ایک دھماکا سا ہوا۔ وہ بری طرح ٹھٹک کر رہ گئی۔ شدید غصے سے بولی۔ "سن رہی ہیں آپ سب...؟ اس منحوس نے ایک کو ہاسپٹل پہنچادیا۔ دوسرے کو جانے کہاں لے گئی ہے؟"

ایک معمر خاتون نے کہا۔ "کیوں اسے منحوس کہتی ہو؟ وہ اسے بھگا کر نہیں لے جائے گی۔ شاہ زیب کوئی بچہ نہیں ہے۔"

"وہ میرا بیٹا ہے۔ بچہ نہیں ہے۔ اسی لئے حیران ہوں کہ وہ اس لڑکی کے چکر میں کیسے پڑ گیا؟"

ایک خاتون نے کہا۔ "ذرا صبر کرو۔ ابھی معلوم ہوجائے گا وہ کہاں گئے ہیں؟"

ستارہ نے جل کر کہا۔ "اور کہاں جائیں گے؟ بھائی ہاسپٹل میں خون کے لئے تڑپ رہا ہے اور وہ اس کے ساتھ تفریح کرتا پھر رہا ہے....." وہ روتے ہوئے دونوں ہاتھ پھیلاکر بولی۔ "ہائے مائدہ...! تجھ پر اللہ کی مار ہو۔ کیسے کیسے میرا جی جلا رہی ہے؟ دوسرا بیٹا بھی ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ شاہ زیب ایسا نہیں تھا۔ جان چھڑکتا تھا اپنے بھائی پر۔ لیکن تو سب سے چھڑا کر پتہ نہیں اسے کہاں لے گئی ہے؟ میری ہائے لگے گی تجھے... کم بخت نہ جانے کیسے لہو کی پیداوار ہے؟"

خواتین بھی آپس میں کچھ نہ کچھ بول رہی تھیں۔ اسے تسلیاں دے رہی تھیں۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب مجھ سے یہاں نہیں بیٹھا جائے گا۔ کوئی مجھے ہاسپٹل چھوڑ آئے۔"

تتلی اس صورتحال سے کچھ پریشان سی ہوگئی تھی۔ اس نے تو بس یونہی کہہ دیا تھا۔ کیا خبر تھی کہ یونہی کہی جانے والی بات جھگڑا بن جائے گی؟ اس کا دماغ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "جو ہوا بہت برا ہوا... کچھ باتیں پیٹ میں رکھنے کی ہوتی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ دیکھتے ہوئے بھی اندھی بن جاتی... سنتے ہوئے بھی بہری بن جاتی۔ مگر اب پچھتاوے کیا ہووت...؟"

تھوڑی دیر بعد ہی ستارہ بیگم ثریا اور دیگر خواتین کے ساتھ ہاسپٹل پہنچ گئی۔ مائدہ کی طرف سے تقریباً سب ہی بدظن ہوگئی تھیں۔ شاہ زیب کو بھی برابر کا قصوروار ٹھہرایا جارہا تھا۔ ایسی صورتحال میں ستارہ بیگم مظلوم بن گئی تھی۔ اسے بھرپور ہمدردیاں مل رہی تھیں۔

وہ سب آگے پیچھے چلتی ہوئی مطلوبہ روم میں پہنچیں تو وہاں کا منظر دیکھ کر ایکدم سے ٹھٹک گئیں۔ سب ہی کے ذہنوں کو ایک جھٹکا سا لگا۔

وہاں دو بیڈ بچھے ہوئے تھے۔ ایک پر جاذب لیٹا ہوا تھا اور دوسرے پر مائدہ تھی۔ ستارہ بیگم کے دماغ کو جھٹکا لگا کہ وہ ایک دوسرے کے قریب لیٹے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان ایک اسٹینڈ پر خون کی بوتل لٹک رہی تھی۔ مائدہ کے جسم سے لیا جانے والا خون جاذب کے جسم میں ٹرانسفر کیا جارہا تھا۔

آنے والی خواتین کو چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ ستارہ بیگم کو اور اعظم خان کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ سب کی نگاہوں میں کئی سوالات تھے۔ "کیا یہ لڑکی تمہارے لئے منحوس ہے؟ کیا اسی کی نحوست تمہارے بیٹے کی جان لینے والی تھی؟ کیا اب بھی اسے بددعائیں دو گے؟" جو زندگی بچائے۔ اسے بددعا نہیں دی جاتی۔ انہیں تو چاہئے تھا فوراً ہی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چوم لیتے۔ اسے سینے سے لگالیتے۔

لیکن نہیں... وہ ایک لڑکی کے سامنے جھک کر اس کی اہمیت بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ ان کے لئے ناگوار تھی۔ اس وقت بھی ناگوار ہی لگ رہی تھی۔

اعظم خان بڑے بیٹے سے کتراتے ہوئے شاہ زیب کے پاس آکر بولا۔ "اسے تم یہاں لائے ہو؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ مائدہ پر ایک نظر ڈال کر بولا۔ "جب یہ فارغ ہوجائے تو اسے پے منٹ کردینا۔ آخر کو بلڈ بینک سے بھی خون خریدنا ہی تھا۔"

اُف... اتنی تذلیل...؟

جاذب سن رہا تھا۔ ایکدم سے پھٹ پڑا۔ کمزوری کے باوجود ذرا تیز لہجے میں بولا۔ "واہ... بہت خوب۔ ایک لڑکی کی ہمدردی اور محبت کا کتنا اچھا صلہ دے رہے ہیں؟ کیوں کرتے ہیں اس سے اتنی نفرت...؟ کیوں...؟ ڈاکٹر اپنے طور پر ساری دوائیں دے چکے تھے۔ آخری دوا یہی تھی۔ اس نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ آپ باپ ہیں۔ اس نے آپ کے بڑھاپے کی لاٹھی ٹوٹنے نہیں دی۔ آگے بڑھ کر اسے گلے لگائیں۔"

وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ وہاں تمام افراد نیگیٹو کی نایابی کے متعلق باتیں کررہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ "مائدہ مسیحا بن کر نہ آتی تو جاذب کا خدا ہی حافظ تھا۔"

ستارہ بیگم اور اعظم خان سبکی محسوس کررہے تھے۔ ہاسپٹل میں مائدہ کا پلڑا بھاری ہوگیا تھا۔ وہ اس کے خلاف بول کر اپنے حمایتی پیدا نہیں کرسکتے تھے۔ میدان جنگ میں چالاک سپاہی کی مات ہو تو وہ عارضی طور پر مات کھاتا ہے۔ ایک ذرا پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ پھر تازہ دم ہوکر اچانک ہی پلٹ کر حملے کرتا ہے۔

وہ دونوں خاموش رہ کر کمرے سے جانے لگے۔ اعظم خان دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ وہاں سے پلٹ کر بولا۔ "وقت پر کام آنے والوں کی اور جان بچانے والوں کی سب ہی قدر کرتے ہیں۔ یہاں ایک ڈاکٹر نے بھی جاذب کی جان بچائی ہے۔ ہم اس کی بھی قدر کرتے ہیں۔ لیکن قدر کرنے اور احسان ماننے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اس ڈاکٹر کو اپنا داماد بنالیں۔ یا خون کا عطیہ دینے والی کو بہو بنالیں۔"

ستارہ نے کہا۔ "ہم تمام عمر ڈاکٹر کی اور مائدہ کی قدر کریں گے۔ مگر رشتے داری نہیں کریں گے۔"

وہ دونوں اپنا فیصلہ سنا کر چلے گئے۔ مائدہ کا بلڈ گروپ او نیگیٹو تھا۔ ستارہ بیگم اور اعظم خان کا مزاج سراسر نیگیٹو تھا۔ تین نیگیٹو کے ٹکراؤ سے جانے کیا ہونے والا تھا؟ ہاسپٹل کے اس کمرے میں گہری خاموشی چھاگئی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک ہفتے کے بعد ہاسپٹل سے گھر آگیا۔ اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔ کھانے پینے کے لئے ماں باپ کا محتاج تھا۔ لیکن ان سے بات نہیں کررہا تھا۔ شاہ زیب اس کی خدمت میں لگا ہوا تھا۔

خاندان کے بزرگ آتے جاتے اسے سمجھاتے تھے کہ والدین سے ناراض نہیں رہنا چاہئے۔ وہ دشمن نہیں ہیں۔ اس کی بہتری کے لئے خاندان کی کسی لڑکی کو بہو بنانا چاہتے ہیں۔ اسے بزرگوں کے فیصلے کے آگے جھکنا چاہئے۔

پھوپھی' چچا' ماموں اور خالہ سب ہی نے یہ آس لگائی تھی کہ ان کی بیٹیاں جاذب اور شاہ زیب سے بیاہی جائیں گی۔ اس لئے وہ سب اعظم خان اور ستارہ کے حمایتی تھے۔

جاذب شادی کے معاملے میں کسی سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ لیکن ماں باپ مائدہ کو اس کے دل سے نکالنے کے لئے جلد ہی اس کی شادی کردینا چاہتے تھے۔

اعظم خان نے بیگم سے کہا۔ "تم بیٹے کو مائدہ سے نجات نہیں دلا سکیں۔ لہٰذا اس کی شادی تمہارے بھائی کی بیٹی سے نہیں' ہمارے بھائی کی بیٹی سے ہوگی۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا آپ اسے مائدہ سے نجات دلا رہے ہیں؟"

اس نے سینہ تان کر کہا۔ "ہاں۔ ہم خاندان کے تمام اہم افراد کو آج رات کھانے پر بلا رہے ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں اپنے بیٹے کو ہمیشہ کے لئے مائدہ سے دور کردیں گے۔"

"بیٹا آپ کی طرح ضدی ہے۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ کبھی مائدہ کی طلب سے باز آئے گا۔"

"یہ ناممکن ہے تو آج ہم اس ناممکن کو ممکن کر دکھائیں گے۔" وہ سوچتی ہوئی نظروں سے شوہر کو دیکھنے لگی۔

(جاری ہے)

محی الدین نواب

قسط نمبر 8

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

رات کو ڈرائنگ روم میں خاندان کے تمام اہم افراد موجود تھے۔ جاذب بھی شاہ زیب کا سہارا لے کر چلتا ہوا وہاں آیا۔ اعظم خان نے کہا۔ ''ہمارا بیٹا ہم سے ناراض ہے۔ کیا کیا جائے؟ جوانی میں ایک جوان لڑکی ماں باپ کی اہمیت ختم کر دیتی ہے۔''

وہ بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''بیٹے! تمہاری بے رخی بے مروتی نے سمجھا دیا ہے کہ تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تم جاؤ اور مائلہ کے ساتھ جیسی زندگی گزارنا چاہتے ہو گزارو۔ ہم تمہارے راستے کی دیوار نہیں بنیں گے۔''

بیٹے نے خوش ہو کر باپ کو دیکھا۔ وہ بولا۔ ''لیکن یہ لکھ لو کہ تم اس سے شادی نہیں کر سکو گے۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہے کہ تم اس کے ساتھ ازدواجی رشتہ نہیں رکھ سکو گے۔''

ایک بزرگ نے پوچھا۔ ''یہ قدرتی فیصلہ کیا ہے؟''

اعظم خان نے کہا۔ ''آپ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ وہ دونوں سگے بھائی بہن کیوں کہلاتے ہیں؟''

بزرگ نے کہا۔ ''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ ان دونوں کی رگوں میں ہمارا لہو دوڑ رہا ہے۔''

''تین افراد کی رگوں میں ایک ہی شخص کا لہو رواں رہے تو وہ سگے بن جاتے ہیں۔ مائلہ کے باپ کا نام منصور احمد ہے۔ اس کا خون مائلہ کی رگوں میں ہے۔ اور وہی خون اس کے ذریعہ جاذب کے اندر پہنچ گیا ہے۔ اب دونوں کی رگوں میں منصور احمد کا لہو ہے۔ لہٰذا خون کے رشتے سے مائلہ اور جاذب ایک دوسرے کے بہن بھائی بن چکے ہیں۔''

جاذب ایکدم سے چیخ پڑا۔ ''یہ بکواس ہے۔ فضول سی بات ہے۔ آپ کے کہہ دینے سے ہم بھائی بہن نہیں ہو جائیں گے۔ آپ اپنے یہ الفاظ واپس لیں۔''

وہ بولا۔ ''قدرت کی کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔ نہ ہی یہ الفاظ ہمارے ہیں، یہ فیصلہ ہمارا ہے۔''

ایک خاتون نے کہا۔ ''اعظم بھائی کی بات دل کو لگ رہی ہے۔ ہم تو باپ دادا کے زمانے سے یہی بات سنتے اور دیکھتے آ رہے ہیں کہ ایک شخص کا خون دو انسانوں کے جسم میں ہو تو وہ سگے بھائی یا سگے بھائی بہن بن جاتے ہیں۔''

تمام خواتین اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔ جاذب پریشان ہو کر ایک ایک کا منہ تک رہا تھا۔ ایک بزرگ نے کہا۔ ''ہم کیا کہیں گے؟ یہ تو ساری دنیا کہتی ہے کہ خون کے ذریعہ ہی سگے سوتیلے اور اپنے پرائے ہوتے ہیں۔''

دوسرے بزرگ نے کہا۔ ''کیا ہمارے بچے سگے بھائی بہن نہیں ہیں؟ لہو کے رشتوں سے کون بے وقوف انکار کرے گا؟''

کیا عورتیں اور کیا مرد سب ہی خون کے حوالے سے اعظم خان کی حمایت کر رہے تھے۔ جاذب اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنے زخموں کی تکلیف بھول گیا۔ چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ''یہ فضول باتیں ہیں۔ میں نہیں مانتا۔ کبھی نہیں مانوں گا۔''

ایک بزرگ نے پوچھا۔ ''کیا تمہارے نہ ماننے سے حقیقت بدل جائے گی؟ کیا تم مائلہ کے باپ کا خون اپنے اندر سے نکال کر پھینک سکو گے؟''

وہ بولا۔ ''آپ لوگ خون کے عطیے کو غلط رنگ دے رہے ہیں۔ ذرا عقل سے سوچیں، ایک نطفے سے پیدا ہونے والے سگے بھائی بہن ہوتے ہیں۔ کسی کو امدادی خون دیا جائے تو وہ سگا نہیں ہو جاتا۔''

جاذب کے چچا نے کہا۔ ''برخوردار! نطفہ خون سے ہی بنتا ہے۔''

وہ بولا۔ ''براہِ راست صرف خون سے اولاد پیدا نہیں ہوتی۔''

''دنیا والے تمہاری یہ بات نہیں مانیں گے۔''

''نہ مانیں۔ میں کسی کی غلط بات نہیں مانوں گا۔''

''تمہیں اسی دنیا میں رہنا ہے۔ رشتے ناتوں کی اس دنیا میں تم کسی سے غلط رشتہ جوڑ کر نہیں رہ سکو گے۔''

ایک خاتون نے کہا۔ ''مائلہ سے لہو کا رشتہ ہو چکا ہے۔ وہ بہن بن چکی ہے۔''

خالہ نے پوچھا۔ ''کیا بہن سے شادی کرو گے؟''

پھوپھی نے کہا۔ ''سب ہی تم پر تھو تھو کریں گے۔''

چچا نے کہا۔ ''اگر تم نے ایسی غلطی کی تو ہم اس لڑکی کو اپنے خاندان میں جگہ نہیں دیں گے۔ وہ اور اس سے ہونے والی اولاد ناجائز کہلائے گی۔ تمہارے بچے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

ماموں نے کہا۔ ''وہ بچے جوان ہو کر بدنام ہو کر تمہیں گالیاں دیں گے۔''

چچا نے پھوپھی نے تمام رشتے داروں نے کہا کہ وہ مائلہ کو اپنے گھر میں قدم رکھنے نہیں دیں گے۔ بزرگوں اور رشتے داروں کے بغیر معزز خاندان کے بغیر میاں بیوی بنے والوں پر دنیا تھوکے گی۔

جاذب ان سب کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ ویسے بھی کوئی جواب سننے والا اور اس کی باتوں کو سمجھنے والا نہیں تھا۔ ان سب نے جیسے قسم کھائی تھی کہ انہیں بھائی بہن بنا کر ہی دم لیں گے۔

وہ جھنجھلا کر بھائی کا سہارا لئے بغیر ڈگمگاتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اعظم خان نے رشتہ تبدیل کرنے کا عجیب چکر چلایا تھا۔ اگر وہ چار مخالفین ہوتے تو وہ ان سے نمٹ لیتا۔ وہاں تو پورا خاندان ماں باپ کی حمایت میں بول رہا تھا اور بیٹے کی مخالفت کر رہا تھا۔

دوسرے دن کینیڈا سے اس کے پھوپھا نے کہا۔ ''بیٹا جاذب! مبارک ہو۔ تمہارے ممی ڈیڈی کو بیٹی کا بڑا ارمان تھا۔ تمہاری بھی کوئی بہن نہیں تھی۔ اب ہو گئی۔''

وہ غصے سے بولا۔ ''میری کوئی بہن نہیں ہے۔''

پھوپھا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''اعظم بھائی کہہ رہے تھے، تم اسے بہن ماننے سے انکار کر رہے ہو۔ یہ غلط بات ہے بیٹے! خون کے حوالے سے جو سچ ہے اسے تسلیم کرنا چاہئے۔ میری بات مانو۔ میرے داماد بن جاؤ۔ یہاں کینیڈا میں تمہاری لائف بن جائے گی۔''

اس نے فون پٹخ دیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ ساری دنیا جیسے انہیں بہن بھائی کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

مائلہ خون دینے کے بعد ہسپتال سے گھر چلی گئی تھی۔ ستارہ بیگم اور اعظم خان کے عداوتی رویے سے دل ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے احسان نہیں کیا تھا۔ اپنے محبوب کو نئی زندگی دینے کے لئے بڑے پیار سے خون دیا تھا۔ ویسے والدین کو احسان ماننا چاہئے تھا کہ جس لڑکی کو دشمن کہتے آ رہے تھے اس نے ان کے گھر کے چراغ کو بجھنے نہیں دیا تھا۔ جاذب نے فون کے ذریعہ رابطہ رکھا تھا۔ اسے تسلیاں دے رہا تھا کہ والدین کی لاکھ مخالفتوں کے باوجود اسے اپنی دلہن بنائے گا۔

سوال پیدا ہو رہا تھا، کیسے دلہن بنائے گا؟ کیسے مائلہ سے کہے گا کہ رشتہ تبدیل کیا جا رہا ہے؟

آخر اس نے شرمندگی کے باعث فون کو بالکل ہی آف کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس طرح مائلہ اور شکستہ اور دلبرداشتہ ہوگی۔ یہی سوچے گی کہ وہ والدین کی مرضی کے آگے جھک گیا ہے۔

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے؟

ادھر مائلہ واقعی دلبرداشتہ ہو رہی تھی۔ پہلے جاذب فون پر دلاسے دیتا تھا کہتا تھا۔ ''مجھ پر بھروسہ کرو۔ تم میری ہو۔ میری زندگی میں صرف تم ہی رہو گی۔''

وہ صرف فون پر اس کی آواز سنتی تھی۔ پہلے وہ رومانہ کی شادی کی تقریبات کے سلسلے میں ادھر آتا تھا۔ اب نہ آتا تھا نہ اس کی صورت دکھائی دیتی تھی۔ رومانہ کے والدین فلیٹ چھوڑ کر ناظم آباد کے کسی علاقے میں چلے گئے تھے۔ یوں جاذب کی خبر پہنچانے والے بھی نہیں رہے تھے۔ اس کی طرف سے خاموشی تھی۔ یہی سمجھ میں آ رہا تھا کہ شاید وہ لڑتے لڑتے ہار گیا تھا۔

نجمی نے کہا۔ ''مائلہ! بہت ہو چکا۔ جاذب سے امید نہ رکھو۔ اس کی خاموشی کوئی معنی رکھتی ہے۔''

بھاوج کی باتیں دل توڑنے والی تھیں۔ مگر سچ تھیں۔ وہ سمجھاتی تھی۔ ''جاذب کا آسرا نہ کرو۔ اب کہیں سے رشتہ آئے تو انکار نہ کرو۔ ابا میاں اور تمہارے بھائی جان بہت فکرمند ہیں۔ ان کا خیال کرو۔ یوں کب تک ماتمی حلیہ بنائے پھرتی رہو گی؟''

پھر ایک دن اچانک ہی ستارہ بیگم ان کے فلیٹ میں آئی۔ اس نے مائلہ کے ابو اور بھائی کو دیکھ کر کہا۔ ''میں جانتی تھی آج اتوار ہے۔ باپ بیٹے گھر میں ہوں گے۔ بیٹی اور بہو بھی ہے۔ اچھا ہے سب کی موجودگی میں بات ہو جائے۔''

نجمی نے کہا۔ ''آپ تشریف رکھیں۔ آرام سے بیٹھ کر بات کریں۔''

وہ انکار میں ہاتھ ہلا کر بولی۔ ''نہیں۔ کھڑے کھڑے دو باتیں کروں گی اور چلی جاؤں گی۔''

اس نے منصور احمد سے کہا۔ ''بھائی صاحب! آپ کا جو لہو بیٹے کی رگوں میں دوڑ رہا ہے وہی لہو مائلہ کی رگوں میں بھی ہے۔ ایک لہو کے رشتے سے یہ سگے بھائی بہن ہیں۔''

منصور احمد نے کہا۔ ''بے شک۔ لہو کے ذریعہ ہی مضبوط سگے رشتے قائم ہوتے ہیں۔''

ستارہ نے کہا۔ ''مائلہ کی رگوں میں آپ کا جو لہو ہے، وہ میرے جاذب میں منتقل ہو گیا ہے۔ اب جاذب کی رگوں میں بھی آپ کا لہو دوڑ رہا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر مائلہ اور جاذب بھائی بہن بن چکے ہیں۔''

مائلہ چیخ پڑی۔ ''یہ کیا بول رہی ہیں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

وہ بولی۔ ''ایسا ہو چکا ہے۔''

مائلہ کے بھائی نے پوچھا۔ ''یہ آپ کہاں کی منطق بیان کر رہی ہیں؟ کیا ہسپتال میں کسی کو خون دینے سے وہ سگا رشتے دار بن جاتا ہے؟''

وہ بولی۔ ''ایک ہی لہو دو انسانوں کی رگوں میں جاری رہے تو وہ سگے کہلاتے ہیں۔ یہ ایک عالمی سچائی ہے۔ میں اور کچھ نہیں کہوں گی۔ خدا حافظ۔''

وہ دروازہ کھول کر چلی گئی۔ مائلہ کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ گرنے کے انداز میں باپ کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یہ عورت کیا کہہ گئی ہے؟ اگرچہ دل نہیں مانتا مگر دلیل مضبوط ہے۔ لہو کے حوالے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک خون دو افراد کی رگوں میں پہنچے تو وہ سگے بھائی بہن بن جاتے ہیں۔''

نجمی نے منصور احمد سے کہا۔ ''آپ کسی عالم دین سے معلوم کریں۔''

وہ بولا۔ ''میں کسی عالم دین سے کیا کہوں گا؟ یہ بات میرے دل کو لگ رہی ہے۔ ابا میاں کا خون میری اور مائلہ کی رگوں میں ہے اور یہی لہو جاذب کی رگوں میں پہنچ گیا ہے۔ جب میں اور مائلہ بہن بھائی ہیں تو پھر جاذب.....''

اس نے بہن کو دیکھا۔ وہ باپ کے پاس سے اٹھ گئی۔ روتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

ہر لڑکی خواب دیکھتی ہے اور خیالوں میں آئیڈیل کو تراشتی ہے۔ پھر کوئی جاذب آتا ہے اور اسے اپنے پیار میں جذب کر لیتا ہے۔ اور وہ جاذب کوئی چھ ماہ پہلے اس کی زندگی میں آیا تھا اور رفتہ رفتہ اس کے حواس پر چھا گیا تھا۔

یہ پیار کیا ہوتا ہے؟ باؤلی بنا دیتا ہے، رنگ بدل دیتا ہے۔ ڈھنگ بدل دیتا ہے۔ لیکن یہ کیا ظلم تھا کہ رشتہ بدل رہا تھا۔

ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کسی کے ساتھ نہیں ہوا کہ ازدواجی زندگی کی تمنا کرنے والوں کو بھائی بہن بنا دیا گیا ہو۔

وہ اپنے کمرے میں منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ اور کیا کرتی؟ محبوب کی جان بچانے کے لئے لہو دینے والی کا دل لہولہو ہو رہا تھا۔

نجمی نے شام کو دروازہ کھول کر اسے دیکھا۔ وہ فرش پر گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔ ''کب تک گوشے میں منہ چھپاتی رہو گی؟ میں اس کے والدین کو پہلے ہی دن سمجھ گئی تھی۔ وہ بات بات میں تمہیں نظروں سے گراتے آ رہے تھے۔ تمہیں سمجھایا تھا اس گھرانے میں تمہاری دال نہیں گلے گی۔ دیکھ لیا نا؟''

اس نے سر اٹھا کر بھابھی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''مجھے کسی کا نہیں، صرف جاذب کا آسرا تھا۔ وہ فون پر دلجوئی کی کوئی بات تو کہہ سکتے تھے۔''

''وہ کس رشتے سے کہتا؟ اور کیا کہتا؟''

''اس کی خاموشی کہہ رہی ہے کہ ماں باپ نے جھکایا ہے اور وہ جھک گیا ہے۔''

اسی لمحے میں موبائل فون پکارنے لگا۔ وہ اٹھ کر بیڈ کے سرے پر آئی۔ پھر سرہانے رکھے ہوئے فون کو اٹھا کر نمبر پڑھتے ہی دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ ہرجائی پکار رہا تھا۔ اس نے چور نظروں سے نجمی کو دیکھا۔ پھر بٹن دبا کر فون کو کان سے لگایا۔ شکست خوردہ آواز میں کہا۔ ''جی فرمائیے....؟''

دوسری طرف ایک ذرا خاموشی رہی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ''مائلہ! وہ۔ بات یہ ہے کہ پہلے تو حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، ایسے بدلتے ہوئے رشتے کی بات کس منہ سے کہوں؟ اب تو محبت کے نام سے ڈر لگ رہا ہے۔''

وہ چپ رہی۔ بولتی بھی تو کیا بولتی؟ محبت کا دم بھرنے والی کی بھی بولتی بند ہو گئی تھی۔ وہ جھجکتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ محبت کے نام سے ڈر لگ رہا ہے اور کہہ رہا تھا۔ ''امی نے آ کر بتایا ہے کہ وہ تمہارے گھر گئی تھیں اور زہر اگل کر آ گئی ہیں۔''

پھر اس نے آہ بھرنے کے انداز میں سانس لے کر کہا۔ ''بڑا زہریلا سچ ہے۔ میں نہیں مانتا کہ امدادی خون کی منتقلی رشتے بدل دیتی ہے۔''

وہ دل کی بات کہہ رہا تھا۔ تپتی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں دے رہا تھا۔ کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میری عقل کہتی ہے ایک ہی نطفے سے پیدا ہونے والے بھائی بہن ہوتے ہیں۔ یا پھر دودھ شریک کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی۔ میری رگوں میں محض تمہارا امدادی خون ہے۔ اس سے ہمارا رشتہ بدل نہیں سکتا۔''

وہ محبت ہی کی بولی اور دل کو لگنے والی بات بول رہا تھا۔

وہ چند لمحوں کے لئے چپ ہوا۔ پھر بولا۔ ''میرے بزرگوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ میں بغاوت کروں گا، تم سے شادی کروں گا تو یہی کہا جائے گا کہ میں نے ایک بہن سے شادی کی ہے۔ پھر مرتے دم تک ہمارا رشتہ ناجائز کہلایا جائے گا اور ہماری اولاد بھی ناجائز کہلائے گی۔''

اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ وہ ہمارے رشتے کو غلط کہیں گے تو ہم اور ہماری نسل غلط ہو جائے گی۔'' وہ شکست خوردہ ہو کر بولا۔ ''میں تھک گیا ہوں، ہار گیا ہوں۔ اپنے پورے ننھیال اور ددھیال کو نہ قائل کر سکوں گا نہ مائل کر سکوں گا اور اپنے پورے خاندان سے اور شجرے سے کٹ کر صرف تمہارے ساتھ رہ کر اپنی اولاد کو ناجائز، کمتر اور قابلِ نفرت نہیں بناؤں گا۔ پلیز! تم سن رہی ہو ناں؟''

وہ چپ تھی، جس سے وفا کی امید تھی، وہ اپنے خاندان کے شجرے کے اور ہونے والی اولاد کے حوالے سے فیصلہ سنا چکا تھا۔

اس نے کہا۔ ''پلیز! تم چپ ہو۔ تمہاری خاموشی سمجھ میں آ رہی ہے۔ ہم تم دنیا والوں سے نہ لڑ سکیں گے، نہ بھائی بہن کے حوالے سے اپنی اولاد کو گالی بنا سکیں گے۔ تم ان حقائق کو مانتی ہو ناں؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ فون بند کر دیا۔ کہانی ختم ہو جائے تو کتاب بند کر دی جاتی ہے۔ اس نے فون کو ایک طرف رکھ دیا۔

جاذب نے ڈوبتے ڈوبتے بھی ابھر کر کہا تھا کہ بدلتے ہوئے رشتے کو کبھی تسلیم نہیں کرے گا۔ لیکن جس دنیا میں رہ کر وہ محبت کرتا تھا وہاں سب ہی کانٹے بو رہے تھے۔ یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھنے والا نہیں تھا۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ بھابھی قریب ہی بیڈ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس کے بجھے ہوئے چہرے کو کتاب کی طرح پڑھ رہی تھی۔ اچانک ہی سیلاب کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ گھٹنوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

بھابھی نے بڑی محبت سے بڑی ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بعض صدمات عجیب ہوتے ہیں۔ ہاتھ بڑھاؤ، تسلی دو تو اور بھڑکتے ہیں۔ رونے والی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو رفتہ رفتہ آرام آ جاتا ہے۔

یہی تو زندگی کا دکھڑا ہے کہ دکھڑے میں مکھڑا چھپا کر روتے رہو۔ وہ جو دل ٹوٹا ہے تو کب تک تکلیف ہوتی رہے گی؟

یہ دستور ہے کہ شیشے کی طرح ٹوٹنے والا دل چپکے چپکے پتھر ہو جاتا ہے۔ رونے والی کی آنکھیں خشک ہو جاتی ہیں۔ آہوں اور آنسوؤں کی آب و ہوا تبدیل ہو جاتی ہے۔

پھر سمجھ میں آتا ہے کہ جو ہوا سو ہوا۔ آگے جو پیش آنے والا ہے اس کی تیاری کی جائے۔ آخر حالات سمجھا دیتے ہیں۔

ہر چیز کی بہتات میں نقصان بہت ہے
شدت سے کسی شخص کو چاہا نہ کرو تم

بھابھی نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہاں سے جا کر چولہے ہانڈی میں لگ گئی۔ دوسرے دن مائلہ نے بھی گھر کا کام سنبھال لیا۔

☆☆☆

اگر میڈیکل رپورٹ کسی کے لئے کہہ دے کہ وہ ابنارمل ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ پاگل ہے یا ایسا دماغی مریض ہے جو دنیاداری کو اور اپنے معاملات کو سمجھتا نہیں ہے۔

نہیں... ایک ابنارمل شخص عام حالات میں عقل سے سوچتا، سمجھتا اور اپنے معاملات سے نمٹنا جانتا ہے۔ اعظم خان بھی اپنے بیٹے جاذب اور مائلہ سے نمٹنے کے معاملے میں ہمیشہ مستعد رہتا تھا۔

اس نے بڑے بیٹے سے مایوس ہو کر بھائی کی بیٹی کو چھوٹے بیٹے شاہ زیب سے منسوب کر دیا۔ ایک ہفتے کے اندر شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ پھر جب دعوت نامہ چھپنے کے لئے دیا گیا تو اعظم خان نے ایسے وقت مکاری دکھائی۔

دعوت نامے میں شاہ زیب کا نام دولہا کے طور پر تھا۔ کیونکہ اسی سے بھائی کی بیٹی منسوب ہوئی تھی۔ اس نے ایک دعوت نامہ ایسا چھپوایا جس میں اصل دولہا کے نام کی جگہ جاذب کا نام تھا۔ اور وہ فراڈ دعوتی کارڈ اس نے مائلہ کے گھر بھجوا دیا۔

بظاہر یہ تاثر دیا کہ وہ انہیں اپنا سمجھ کر دعوت دے رہا ہے۔ لیکن وہ دعوت نامہ مائلہ کی نظروں میں آتے ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ لڑکیاں ایسے وقت کلیجہ تھام لیتی ہیں۔ ایک زخمی سی امید دل میں تھی کہ شاید کوئی معجزہ ہو جائے گا۔ کوئی ایسی بات ہو جائے گی کہ وہ واپس لوٹ آئے گا۔ یہ خود کو بہلانے والی باتیں ہوتی ہیں۔ کوئی معجزہ نہیں ہوتا۔ جو زخمی سی امید تھی اس نے دم توڑ دیا۔

وہ تمام رات جاذب کی میت پر روتی رہی۔ ایسے وقت معجزہ ہوا، اچانک ہی عقل آ گئی کہ ایک بے وفا ہرجائی کے لئے کیوں رو رہی ہے؟

اس نے تو پھولوں کی سیج سجائی۔ کیا میری زندگی کانٹوں میں بسر ہو گی؟ یہ تو سراسر نادانی ہو گی۔

وہ تن کر کھڑی ہو گئی۔ اپنے رخساروں پر طمانچے مارے۔ توبہ توبہ... کوئی مارے تو کیا مر جانا چاہئے؟ نہیں... مارنے والے کو جی کر دکھانا چاہئے۔

اس نے الماری کے پاس آ کر اسے کھولا۔ ایک دراز میں جاذب کی مسکراتی ہوئی تصویر رکھی تھی۔ اس نے تصویر اٹھائی۔ پھر اسے مٹھی میں یوں بھینچ لیا جیسے ہرجائی کا گلا دبوچ رہی ہو۔

وہ اسی طرح مٹھی میں اسے جکڑ کر کچن میں آ گئی۔ گیس کے چولہے کو آن کر کے جلتی ہوئی تیلی دکھائی پھر تصویر کو آگ میں جھونک دیا۔

چولہے میں جائے ایسی محبت۔ نام جاذب تھا۔ دل میں جذب ہو گیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھس گیا تھا۔ میں اسے بلغم کی طرح باہر تھوک رہی ہوں۔

نجمی اپنے میاں کے لئے بیڈ ٹی بنانے آئی۔ اسے دیکھ کر پوچھا۔ ''اتنی صبح یہاں کیا کر رہی ہو؟''

مائلہ نے راکھ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''یہ اس ہرجائی کی تصویر تھی۔ وہ میری زندگی سے، میری دنیا سے چلا گیا۔''

وہ ہانپنے کے انداز میں سانس چھوڑتے ہوئے بولی۔ ''میرے لئے مر گیا۔''

اس نے راکھ کو مٹھی میں لے کر کہا۔ ''ہمارے ہاں مرنے والوں کو دفن کیا جاتا ہے۔ میں نے خلاف دستور اس کی چتا جلا دی۔''

نجمی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ تھپکتے ہوئے کہا۔ ''میں بہت خوش ہوں۔ تمہاری آنکھیں خشک ہیں۔ تم رونا بھول گئی ہو۔''

وہ بولی۔ ''نجمی! تم بہن سے بڑھ کر ہو۔ مجھے حوصلہ دیتی رہتی ہو۔ اب میں مسکرانے کی کوشش کروں گی۔''

وہ بھاوج سے الگ ہو کر بڑی سنجیدگی سے بڑی تلخی سے مسکرانے لگی۔ ہنسنا اور رونا دونوں ہی لازمی ہیں۔ آنسو بہانے اور مسکرانے کی فطری تحریک بے اختیار ہوتی ہے۔

سیلاب آئے، زلزلہ آ جائے، قیامتیں گزر جائیں، پورا خاندان موت کی نیند سو جائے، دل ایک نہیں، بار بار ٹوٹ جائے۔ صدمات خوب رلاتے ہیں۔ لیکن حالات جب معمول پر آتے ہیں، ذرا وقت گزرتا ہے تو انسان دھیرے دھیرے مسکرانے اور بولنے لگتا ہے۔

ایک دن نجمی نے اپنے کمرے سے سنا۔ مائلہ کچن میں کام کرتے ہوئے گنگنا رہی تھی.....

''کٹ ہی گئی جدائی بھی کب یہ ہوا کہ مر گئے
تیرے بھی دن گزر گئے میرے بھی دن گزر گئے''

نجمی نے مسکراتے ہوئے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ پیار کے فریب میں آنے والی سنبھل گئی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ سامنے فلیٹ میں رہنے والی رخشی سے اس کی دوستی ہو گئی تھی۔ اس کا نام رخشندہ تھا۔ دونوں جلد ہی ایک دوسرے سے گھل مل گئی تھیں۔

رخشی نے پوچھا۔ ''مائلہ! تمہیں انگلش لینگویج سے دلچسپی ہے؟''

اس نے کہا۔ ''انگلش لٹریچر سے بہت دلچسپی ہے۔ انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی ترجمہ کر لیتی ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ روانی سے بول نہیں پاتی۔''

رخشی نے کہا۔ ''یہی میری مشکل ہے۔ میں اسپیکنگ پاور کے لئے کلاس اٹینڈ کرنا چاہتی ہوں۔ امی مجھے تنہا جانے نہیں دیں گی۔''

''اگر میں ساتھ چلوں تو....؟''

''پھر تو مزا آ جائے گا۔ امی راضی ہو جائیں گی۔''

دراصل صرف کلاس اٹینڈ کرنے سے بولنا نہیں آ جاتا۔ بولنے والی سہیلیاں ہوں۔ صبح و شام جب بھی ملتی رہیں انگریزی میں بات چیت کرتی رہیں تو جلد ہی فر فر بولنا آ جاتا ہے۔

انہوں نے ایک انگلش لینگویج سینٹر میں داخلہ لے لیا۔ پھر روز صبح دس بجے جانے لگیں۔

وہاں کلاس ایک گھنٹے کی ہوتی تھی۔ مگر آپس میں بولنے والوں کا ہجوم گھنٹوں رہا کرتا تھا۔

(جاری ہے)

محی الدین نواب

قسط نمبر 9

جہاں مٹھائی ہوتی ہے، وہاں مکھیاں ضرور آتی ہیں۔ وہ جب بھی گھر سے نکلتی تھیں، شوخی اور شرارت کرنے والے مکھیوں کی طرح بھنبھناتے تھے۔

ایسے نوجوان پہلے تو دور ہی دور سے فقرے کستے ہیں۔ ایک دوسرے سے اونچی آواز میں ذومعنی باتیں کرتے ہیں، بڑے بڑے شعر سناتے ہیں۔ اگر لفٹ مل جائے تو شیر ہو جاتے ہیں۔

موجودہ دور کی لڑکیاں ایسی چھیڑ چھاڑ کی عادی ہوگئی ہیں۔ کانوں میں پہنچنے والی شریر اور شیطانی باتوں کو دوسرے کان سے اڑا دیتی ہیں۔ کوئی زیادہ شیر بننا چاہے تو سینڈل اتار لیتی ہیں۔

مائلہ اور رشتی ایسا رویہ اختیار کرتی تھیں کہ کلاس کے بعد کیدرنگ میں بولنے والے لڑکے ان سے کتراتے تھے اور کچھ تو بڑے ڈھیٹ ہوتے تھے، انگریزی فقرے غلط بول کر جتاتے جتاتے لفٹ لینے کی کوشش کرتے تھے۔

ان میں ایک نوجوان عمران تھا۔ مائلہ نے محسوس کیا تھا کہ وہ سنجیدہ رہتا ہے۔ لیکن اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے شوخی دکھاتا ہے۔ اداکاری دکھانے کے انداز میں کبھی ہاتھ نچا کر کبھی دیدے مٹکا کر باتیں کرتا ہے۔ رشتی نے جھک کر مائلہ کے کان میں کہا۔ "یہ اپنی باتوں سے اور اداؤں سے تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانا چاہتا ہے۔"

مائلہ نے کہا۔ "توبہ ہے۔ کیا مرد ایسے مٹک مٹک کر متاثر کرتے ہیں؟"

وہ بولی۔ "اس کے انداز کو سمجھو۔ یہ زندہ دلی ہے۔"

"تو پھر تم ہی متاثر ہو جاؤ۔"

"تیر تمہاری طرف چل رہا ہے۔ میں کیسے گھائل ہو جاؤں؟ ویسے برا نہیں ہے۔ تیر انداز سے کہو، سیدھا تو کرے تیر کو..."

مائلہ کے ساتھ کچھ عجیب سا ہونے لگا۔ وہ کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی گھبرا کر سوچنے لگی کہ وہ خیالوں میں کیوں آرہا ہے؟ اس میں کیا بات ہے؟ وہ کس پہلو سے متاثر کر رہا ہے؟ اس پہلو سے دل کو بہلاتا تھا کہ اسے پھر کوئی چاہنے لگا ہے۔ اگرچہ وہ جاذب کی جگہ نہیں لے رہا تھا لیکن ڈوبنے والی کے لئے تنکے کا سہارا بن رہا تھا۔

یہ تو عمر کے تقاضے ہیں۔ کوئی نہ کوئی تو یوں بھی اچھا لگتا ہے۔ نہ لگے تو پھر جیون ساتھی کہاں سے آئے؟ گھر کے بزرگ لڑکا ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جاتے ہیں۔ جسے آنا ہوتا ہے، وہ فون پر رانگ کال کے ذریعہ بھی چلا آتا ہے۔

جھوٹ اور فریب کی اس دنیا میں وہ ایک بار فریب کھا چکی تھی، پھر فریب کھانا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن زندگی ایک پارٹنر کے بغیر گزرتی بھی تو نہیں ہے۔ کوئی چاہنے والا نہ آئے تو اندر کچھ خالی خالی سا لگتا ہے۔ آجائے تو لڑکیاں اسے رشک سے دیکھتی ہیں کہ اس کا قدرداں آگیا۔ وہ کسی سے چاہی جا رہی ہے۔

اس نے اندر کی بات چھپائے رکھنے کے لئے خود پر سنجیدگی طاری کرلی۔ کلاس کے بعد کیدرنگ میں عمران جدھر ہوتا ادھر دیکھنے سے کترانے لگی۔ اس کی کسی بات پر مسکرانا چھوڑ دیا۔

یہ سراسر نادانی تھی۔ وہ سب ہی لڑکوں اور لڑکیوں کی نظروں میں آگئی۔ عمران سے کترانے کا انداز صاف چغلی کھا رہا تھا کہ وہ دل کا بھید چھپا رہی ہے۔

دوپہر کو کھاتے وقت تینی نے کہا۔ "سنا ہے، تمہیں وہ اچھا لگنے لگا ہے؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کون وہ...؟"

"اور کون؟ وہی عمران..."

یکبارگی اسے ٹھسکا لگا۔ تینی اس کے سر کو تھپکی سے تھپکتے ہوئے بولی۔ "کیا ہوا؟"

اس نے پانی کا گلاس بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وہ یاد کر رہا ہے۔"

وہ گلاس پکڑتے ہوئے اور کھانسنے لگی۔ تینی نے کہا۔ "خود کو سنبھالو۔ پانی چھلک رہا ہے۔"

بڑی مشکل تھی، خود کو کیسے سنبھالتی؟ بھابھی نے اندر سے چھلکا دیا تھا۔ اس نے دو گھونٹ پینے کے بعد گہری گہری سانسیں لیں۔ پھر انجان بن کر کہا۔ "یہ عمران کون ہے؟ تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"میں کیا جانوں کون ہے؟ جو رشتی کی بچی کچھ نہیں جانتی۔ بے پر کی اڑاتی ہے۔"

پھر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "ٹھسکا یونہی نہیں لگا تھا۔ کیا مجھ سے دل کی بات چھپاؤ گی؟"

مائلہ نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "تم سے کبھی کچھ نہیں چھپاتی۔ مگر جو ہو رہا ہے اس سے خود کو چھپا رہی ہوں۔ ڈر لگ رہا ہے۔ پھر وہی ہوگا۔ بظاہر پھول کھلیں گے پھر کانٹے چبھیں گے۔"

"کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو؟ کیا ٹھوکر کھانے کے خوف سے چلنا چھوڑ دو گی؟ حلق میں کانٹا چبھا تھا، اس لئے مچھلی نہیں کھاؤ گی؟ آگ جلاتی ہے، اس لئے کھانا نہیں پکاؤ گی؟"

"میں کیا کروں؟ اندیشے روکتے ہیں۔ میں پھر وہی زخم کھانا نہیں چاہتی۔"

"کسی سے زیادہ امیدیں وابستہ نہ کرو۔ کسی کو

شدت سے نہ چاہو۔ پھر بھی زخم نہیں کھاؤ گی۔"

"تم مجھے گائیڈ کرو۔ حوصلہ دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میری انگلی پکڑ کر چلو اور میری نصیحتیں یاد رکھو۔ اب جو آرہا ہے اسے دل سے پیار کرو۔ مگر اعتبار نہ کرو۔ اس سے تب وفا کرو جب وہ وعدہ وفا کرے۔ وہ جان دے تو تم جان دینا۔ خون بھی نہ دینا۔ کیونکہ جس خون سے رشتے مضبوط ہوتے ہیں، وہی خون پانی ہو جاتا ہے۔"

وہ سمجھنا چاہتی تھی۔ اس نے بھابھی کی نصیحتیں گرہ میں باندھ لیں۔ یہ طے کر لیا کہ عمران اس کی قدر کر رہا ہے تو وہ بھی اس کی قدر کرے گی۔ کسی سے چاہے جانے کی مسرتیں پاگل بنا دیتی ہیں۔ اب وہ پاگل نہیں بنے گی۔ گرہ میں بندھی ہوئی نصیحتیں یاد کرتی رہے گی۔

☆☆☆

نند بھاوج نے صبح ناشتے کے بعد واشنگ مشین نکالی۔ ہفتے بھر میں میلے کپڑے اتنے زیادہ ہو جاتے تھے کہ وہ گھر صبح سے شام تک دھوبی گھاٹ بن جاتا تھا۔ پھر مائلہ پانچویں فلور پر جاکر زبیدہ آنٹی کے بھی کپڑے، بستر کی چادریں اور کھڑکی دروازے کے پردے لے آتی تھی۔

اس بار مائلہ میلے کپڑے لینے آئی تو وہ بستر پر پڑی کراہ رہی تھیں۔ اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ وہ بولیں۔ "ابھی بخار اترا۔ بہت کمزوری ہے۔ اٹھ کر دوا نہ پی سکی۔"

اس نے فوراً ہی دوا پلاتے ہوئے کہا۔ "ایسی حالت میں آپ فون پر ہمیں اطلاع دیا کریں۔ پہلے بھی سمجھایا ہے لیکن آپ ہمیں پریشان نہیں کرنا چاہتیں۔ پتہ ہے، ادھر ابا میاں پریشان ہوتے رہتے ہیں۔"

وہ تھکے ہوئے انداز میں بولیں۔ "کتنا اچھا لگتا ہے، تم سب میرے کوئی نہیں ہو۔ لیکن میرے لئے پریشان رہتے ہو۔ بڑی دیر تک یوں لگتا ہے، جیسے اکیلی نہیں ہوں، رشتوں کی بھیڑ میں ہوں۔ شیریں، تمہارے ابا میاں اور تم سب میرے اپنوں سے بڑھ کر ہو۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔ "میرے اپنے کہاں ہیں؟"

مائلہ نے بڑے دکھ سے انہیں دیکھا۔ بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ میں تھی۔ بیٹا لندن میں بیوی بچوں کے ساتھ تھا۔ سات سمندر پار سے ایک بوڑھی عورت کو دیکھنے آتے تو ہزاروں ڈالرز ضائع ہوتے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ کراچی میں جو لاکھوں کا فلیٹ اور ایک دکان تھی، وہ ماں کی وفات کے بعد انہیں ملنے والی تھی۔ لہٰذا وہ وقت سے پہلے نہیں آرہے تھے۔

یہ لہو کے رشتے کیسے خود غرض ہو جاتے ہیں! اپنے پیدا کرنے والوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ بھولنے والے کبھی بھول کر بھی یاد نہیں کرتے۔ بے ایمانی کی کوئی حد نہیں ہے۔ صرف گوالے بے ایمان نہیں ہوتے۔ اولاد بھی ماں کے دودھ میں پانی ملاتی ہے۔

مائلہ سوچتی ہوئی لفٹ کے پاس آئی۔ لوڈ شیڈنگ کے باعث لفٹ رکی ہوئی تھی۔ وہ میلے کپڑوں کی چھوٹی سی گٹھڑی اٹھائے سیڑھیاں اترنے لگی۔ اپنے فلیٹ کی طرف جانے لگی۔ جب لفٹ کام نہیں کرتی تھی تو وہاں کے مکینوں کو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہانپتے ہوئے اوپر کے فلیٹوں میں جانا پڑتا تھا۔ عورتیں اور بوڑھے اللہ اللہ، توبہ توبہ کرتے تھے۔ بوڑھے اور بیمار تو لفٹ آن ہونے کے انتظار میں نیچے ہی رہ جاتے تھے۔

مائلہ سیڑھیاں اترتے اترتے رک گئی۔ اس نے تعجب سے اپنے باپ کو دیکھا۔ وہ زینے کے ایک پائدان پر قدم رکھتا ہوا ٹھہر ٹھہر کر ہانپتا ہوا اوپر آرہا تھا۔

تیسرے فلور پر اپنا فلیٹ تھا اور وہ اپنے فلور سے آگے چوتھے فلور کے زینے پر پہنچ گیا تھا۔ بیٹی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کی تو ایک ہی منزل تھی۔ پانچویں فلور پر زبیدہ آنٹی رہتی تھیں۔

وہ بولی۔ "آپ اوپر کہاں جارہے ہیں؟"

وہ سچ نہیں بول سکتا تھا۔ ہانپتے ہوئے بولا۔ "وہ... میں... شیریں بیٹی سے ملنے جارہا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "یاخدا! آپ ساتویں فلور پر جائیں گے؟ شیریں آنٹی سے ملنا کیا ضروری ہے؟ لفٹ چلنے کے بعد بھی تو جاسکتے ہیں۔"

وہ اوپر دیکھتے ہوئے بولی۔ "ابھی آپ پانچویں فلور پر پہنچیں گے۔ یہاں..."

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ پھر کچھ سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہوں۔ آپ زبیدہ آنٹی کے پاس جا رہے ہیں۔"

وہ نظریں چراتا ہوا زینے کے پائدان پر بیٹھ گیا۔ اس نے باپ کو بڑی ہمدردی سے دیکھا۔ پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "دیکھیں! کیسے سانس پھول رہی ہے؟"

وہ ہولے ہولے اس کی پشت سہلانے لگی۔ "لائٹ آنے کا انتظار کرلیتے۔ یوں ہانپ رہے ہیں، سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں۔ دیکھنے والے تو پھر ٹھیک ہی سمجھتے ہیں نا..."

باپ نے بیٹی کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔ "یہ دنیا والے اپنے اپنے مزاج، اپنی اپنی نیت کے مطابق دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں۔"

"میں بیٹی ہوکر پوچھتی ہوں، یہ بے چینی، یہ تڑپ کیسی ہے؟ اس عمر میں ہانپتے کانپتے سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں۔ یہ کوہ پیمائی کس لئے ہے؟"

"ایک بیمار، لاچار اور بے یار و مددگار کے لئے ہے۔"

"آپ ڈاکٹر نہیں ہیں۔ دواؤں کے نام بھی نہیں جانتے۔ ان کا علاج نہیں کرسکتے۔"

"بے شک۔ علاج نہیں کرسکتا۔ مگر ایک بیمار کا حال پوچھ کر اس کی دلجوئی تو کرسکتا ہوں۔"

"یہ جواب دینا پڑتا ہے کہ کس رشتے سے حال پوچھ رہے ہیں؟ یہ سوال اہم ہوجاتا ہے کہ حال پوچھنے والا محرم ہے یا نامحرم؟"

ایسے سوال کا جواب نہیں تھا۔ وہ بے بسی سے پہلو بدل کر بولا۔ "لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہم بوڑھے ہیں۔ یہ ناچنے گانے اور موسیقی کی دھن پر پیار کرنے والی عمریں نہیں ہے۔ جوانوں کو روکنا ٹوکنا اور بوڑھوں پر اعتبار کرنا چاہئے۔"

وہ بڑی ہمدردی سے بڑے اعتماد سے باپ کو دیکھنے لگی۔ اس نے گٹھڑی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ زبیدہ کے ہیں؟"

"جی۔ انہوں نے دروازوں اور کھڑکیوں کے پردے نہیں دیئے۔ کہہ رہی تھیں، وہ غیر ضروری ہیں۔ نہ رشتے دار آتے ہیں، نہ کوئی مہمان آتا ہے۔ گھر کو سجا سنوار کر کیا کرنا ہے؟ وہ نہیں چاہتیں کہ ہم ان کے بستر کی چادریں اور بھاری پردے دھوئیں۔"

"طبیعت کیسی ہے؟"

"بخار تھا۔ اب نہیں ہے۔ میں دوا کھلا کر آئی ہوں۔"

وہ سر اٹھا کر پانچویں فلور کو دیکھنے لگا۔ پھر بیٹی سے نظریں ملتے ہی سر جھکا لیا۔ وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ باپ نے کہا۔ "تم میری بیٹی ہو۔ تم سے سچ کہتا ہوں، ایک بوڑھا کسی بوڑھی کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہنا چاہتا۔ اس کے ساتھ پیار کے گیت نہیں گانا چاہتا۔ بلکہ اسے اپنے ہاتھوں سے دوا پلانا چاہتا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھنا چاہے تو اسے سہارا دینا چاہتا ہے۔"

وہ ذرا چپ رہا۔ پھر بولا۔ "زبیدہ سے میرا گہرا رشتہ ہے۔ بڑھاپے کا اور تنہائی کا تڑپا دینے والا رشتہ ہے۔ میرے آس پاس تم ہو، منصور ہے، بیٹی ہے۔ پھر بھی گھٹتا ہوں، تنہا رہتا ہوں۔ اس بوڑھی کی تو باقی تمام زندگی تنہائی میں اپنوں کو پکارتے ہوئے گزر رہی ہے۔ اسے ہر لمحہ بیماری نہیں، تنہائی مارتی رہتی ہے۔ کیا میں اپنی زندگی کے دو چار لمحے اسے نہیں دے سکتا؟"

اس نے باپ کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے اپنے چہرے سے لگایا۔ پھر وہاں سے اٹھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آئیں۔ میرے ساتھ چلیں۔"

وہ دونوں دو چار پائیدان چڑھتے ہوئے پانچویں فلور پر آگئے۔ باپ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بول رہی تھی۔ "یہ جو دروازوں اور کھڑکیوں سے جھانک رہے ہیں، جھانکتے ہی رہیں گے۔ کچھ بول نہیں پائیں گے۔ ابھی میں ڈھال بن گئی ہوں۔ آپ بیٹی کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ کوئی پھر آپ کی طرف نہیں آئے گا۔"

اس نے دروازے پر پہنچ کر کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ کوئی ملنے آئے تو اس بوڑھی کو اپنے بستر سے اتر کر دیواروں کا سہارا لیتے ہوئے دروازے تک آنا پڑتا تھا۔

منصور احمد نے سوچا۔ "میں خیریت معلوم کرنے اور تنہائی دور کرنے آیا ہوں۔ مگر اس بیچاری کو اپنے کمرے سے چل کر دروازے تک آنا ہوگا۔ کیا کروں اس بدنصیب کو تنگی بھی جھیلنی پڑتی ہے۔"

دروازہ خلاف توقع فوراً ہی کھل گیا۔ مائلہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "آنٹی! کیا آپ یہاں پہلے سے کھڑی تھیں؟ یا کسی کی آہٹ پاکر کال بیل سے پہلے ہی آگئی ہیں؟"

ادھر دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں ایک دوسرے کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے اپنی گمشدہ چیز پا رہے ہوں۔ زبیدہ نے کہا۔ "تم ابھی یہاں سے گئی تھیں۔ میں تمہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ایک جگہ پڑے رہنے سے دل گھبراتا ہے۔ یہاں سے آنے جانے والے دکھائی دیتے رہتے ہیں۔"

وہ منصور احمد کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "کوئی آنے والا ہو یا نہ ہو، مگر یہاں کھڑے رہنے سے دل بہلتا رہتا ہے۔"

مائلہ نے اسے کمرے تک جانے کے لئے سہارا دیا۔ منصور احمد اس کے پیچھے چلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ "ہم بوڑھے کیوں ہو جاتے ہیں؟ جوانی کے جاتے ہی موت آجائے تو کیا ہی اچھا ہو؟ نہ دوسروں کا سہارا ڈھونڈنا پڑے گا، نہ محتاجی ہوگی۔"

مائلہ نے اسے بستر پر بٹھا کر آرام سے لٹا دیا۔ منصور احمد نے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹے بیٹی کا فون آیا؟"

وہ چاروں شانے چت لیٹی ہوئی تھی۔ چھت کو تکنے لگی۔ وہاں بیٹی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "امی! میں دن رات آپ کو یاد کرتی ہوں۔ آپ کے داماد مجھ سے آپ کی خیریت پوچھتے رہتے ہیں۔ بچے جوان ہوگئے ہیں۔"

زبیدہ چشم تصور سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ گہری سانس لے کر بولی۔ "نواسے نواسیاں جوان ہوگئی ہیں، سب ہی کہتے ہیں، نانی اماں کے پاس پاکستان جائیں گے۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔"

مائلہ اور منصور احمد چپ چاپ اسے تک رہے تھے۔ وہ بول رہی تھی۔ "میرا بیٹا روز صبح فون کرتا ہے۔ کہتا ہے، امی! میں تو آنکھ کھلتے ہی آپ کو یاد کرتا ہوں۔ مصروفیت اتنی ہے کہ نماز پڑھنے کا بھی وقت نہیں ملتا۔ پھر بھی نماز کے بغیر آپ کی صحت یابی کے لئے دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔ آپ کی بہو کہہ رہی تھی، امی جان کو لندن لے آئیں۔ یہاں مہنگے ڈاکٹروں سے علاج کرایا جائے گا۔"

زبیدہ نے خوش ہوکر ایک گہری سانس لی۔ پھر کہا۔ "بہو بیٹے کی باتیں سن کر میری آدھی بیماری دور ہوجاتی ہے۔"

منصور احمد نے کہا۔ "اس کے بعد تمہاری آنکھ کھل جاتی ہے۔"

زبیدہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ جیسے نیند سے جاگی ہو۔ وہ بولا۔ "پھر خواب مرجاتے ہیں اور یہ زندگی کراہنے لگتی ہے۔"

مائلہ نے کہا۔ "آنٹی! کسی کا فون کیسے آئے گا؟ یہ تو کل سے مردہ پڑا ہے۔ ہم نے شکایت درج کرائی ہے۔ پتہ نہیں، کب اس میں جان آئے گی اور یہ کب بولے گا؟"

وہ چھت کو تکتے ہوئے بولی۔ "اچھا ہے نہ بولے۔ جب یہ بیٹی بیٹے اور بہو کی آواز میں نہیں بولتا ہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کیا یہ کم ہے کہ وہ تنہائی میں آتے ہیں اور میرے اندر بولتے رہتے ہیں؟"

وہ دور سمندر پار اپنے بچوں میں گم ہوکر بول رہی تھی۔ "میرے بچو! مجھے تو نیند نہیں آتی۔ تمہیں تو آجاتی ہے نا؟ بند کمرے میں میری طرح روتے تو نہیں ہو نا؟

جب یہاں سے جا رہے تھے تب میں نے تم سب کی پیشانیوں کو چوما تھا۔ کبھی ان پیشانیوں کو آئینے میں دیکھتے ہو؟ ممتا کا کوئی تو جگنو چمکتا ہوگا؟

جب بچے تھے تو چاند کو چھونا چاہتے تھے۔ میں اس نادانی پر ہنستی تھی۔ آج تم سب کو چھونا چاہتی ہوں۔ اپنی نادانی پر ہنسی نہیں آتی۔ رونا بھی تو نہیں آتا۔ دیار غیر کے مسافرو! جاؤ۔ میں نے دودھ بخش دیا ہے۔"

مائلہ اور منصور احمد نے بڑے دکھ سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بہت سے دکھ صرف دیکھے جا سکتے ہیں مگر ان کا مداوا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ غمگساری کر سکتے تھے اس کے دکھی دل پر ہاتھ رکھ سکتے تھے۔ کیا کریں کہ دل کا درد نہیں نکال سکتے تھے۔

منصور احمد اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا۔ اس کے آنسو پونچھنا چاہتا تھا۔ کیسی مجبوری تھی کہ آنسو پونچھنے والا رشتہ نہیں تھا۔ مائلہ پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

☆☆☆

کراچی ایک چیختا چنگھاڑتا ہوا شہر ہے۔ یہاں سب کچھ ہے مگر خاموشی اور سکون نہیں ہے۔ یہ شہر کبھی بم دھماکوں، کبھی ٹارگٹ کلنگ اور کبھی اسٹریٹ فائرنگ سے گونجتا رہتا ہے۔ اگر امن وامان ہو، کوئی ہنگامہ نہ ہو تو کان کے پردے پھاڑ دینے والا ٹریفک کا شور آدھی رات کو بھی نیندیں اڑا دیتا ہے۔

مائلہ اور رشتی ٹریفک کے ہجوم میں گھری ہوئی تھیں۔ ان کے آگے پیچھے گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں۔ ایک تسلسل سے چلی جا رہی تھیں۔ وہ سڑک پار کرنا چاہتی تھیں۔ مگر ٹریفک نہیں رک رہا تھا۔ سگنل خراب تھا اور ٹریفک پولیس والے کسی چائے خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

مائلہ نے کہا۔ "کیا مصیبت ہے؟ یہ گاڑیاں ہمیں گھر پہنچنے نہیں دیں گی۔ ذرا دیر ہو جائے تو بھابھی پریشان ہو جاتی ہیں۔"

رشتی نے کہا۔ "امی تو پریشان ہوکر فون کرنے لگتی ہیں۔ اسی وقت کال ٹون سنائی دی۔ مائلہ نے کہا۔ "دیکھا۔ بھابھی پہنچ گئیں۔"

رشتی کا فون بھی چیخنے لگا۔ وہ پرس سے فون نکالتے ہوئے بولی۔ "یہ ضرور امی جان ہیں..."

وہ ایک دوسرے سے منہ پھیر کر فون کو کان سے لگا کر بولنے لگیں اور سننے لگیں۔ ٹریفک کا شور اس قدر تھا کہ نہ وہ سن سکتی تھیں، نہ اپنی باتیں سنا سکتی تھیں۔ ان کے چہروں سے اور ہاتھ کے اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فون اٹینڈ کرکے پریشان ہو رہی ہیں۔ آخر انہوں نے فون بند کردیا۔ بے بسی سے چاروں طرف شور مچاتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھنے لگیں۔

مائلہ نے کہا۔ "ایسا لگتا ہے ٹریفک پولیس والے مرگئے ہیں۔"

رشتی نے کہا۔ "سگنل بھی مردہ ہے۔ بس یہ چیختی ہوئی گاڑیاں زندہ ہیں۔ جی چاہتا ہے چوراہے پر جاؤں اور یوں ہاتھ دکھاؤں کہ گاڑیاں رک جائیں۔"

رشتی نے ٹریفک پولیس کی طرح ہاتھ دکھایا تو حیران رہ گئی۔ گاڑیاں دھیرے دھیرے رکنے لگیں۔ وہ چیختے ہوئے دوڑتے ہوئے بولی۔ "مائلہ! جلدی آؤ۔ سڑک پار کرو۔"

وہ بولی۔ "کہاں جا رہی ہو؟ ادھر بس نہیں ملے گی۔"

وہ زیبرا کراسنگ پر دوڑتے ہوئے بولی۔ "ہم رکشہ یا ٹیکسی کرلیں گے۔ تم آؤ تو سہی۔"

وہ بھی تیزی سے آگے بڑھی۔ لیکن ڈگمگا گئی۔ بیٹھ گئی۔ تکلیف سے کراہنے لگی۔ شاید پاؤں میں موچ آگئی تھی۔ وہ سینڈل اتار کر پاؤں کے اس حصے کو سہلانے لگی۔ رشتی زیبرا کراسنگ سے گزر گئی تھی۔ دوسرے فٹ پاتھ پر پہنچ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے اسے بلا رہی تھی۔

مائلہ نے دوسری سینڈل بھی اتاری۔ پھر چلنا چاہا تو تکلیف محسوس ہونے لگی۔ رشتی اس کی پرابلم نہیں جانتی تھی۔ اس کے پیچھے میں رکی ہوئی گاڑیاں پھر چل پڑیں۔

دونوں سہیلیاں ندی کے دو کنارے بن گئیں۔ یہ ادھر تھی، وہ ادھر تھی۔ بیچ میں ٹریفک کا دریا زور و شور سے رواں دواں تھا۔ رشتی نے ہاتھ ہلا کر پوچھا۔ "کیا ہوا؟"

اس نے دونوں ہاتھوں کو سر سے بلند کرکے سینڈل دکھائیں۔ رشتی نے مایوس ہوکر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ وہ گونگی بن گئی تھیں۔ اشاروں کی زبان سے ہی بول سکتی تھیں۔

(جاری ہے)

محی الدین نواب

قسط نمبر 10

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

مائلہ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "پیچھے والے سگنل اور چوراہے کی طرف چلو۔"

وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔ مائلہ نے فون کے ذریعہ کہا "پیچھے چوراہے کی طرف رکشہ اور ٹیکسی اسٹینڈ ہے۔ میں وہاں سے رکشہ میں بیٹھ کر تمہاری طرف آرہی ہوں۔"

"اوکے۔ ادھر چلو۔"

انہوں نے فون بند کر کے پرس میں رکھے۔ پھر اپنے اپنے فٹ پاتھ پر ایک سمت جانے لگیں۔ وہ کبھی کبھی سر گھما کر ایک دوسرے کو دیکھتی تھیں۔ پھر ہاتھ ہلاتے ہوئے آگے بڑھ جاتی تھیں۔

ایسے ہی وقت فٹ پاتھ کے کنارے ایک بائیک آکر رک گئی۔ اس بائیک کے عقب نما آئینے میں مائلہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی ویسے ہی بائیک بھی چیونٹی کی چال چل رہی تھی۔ کوئی اسے عقب نما آئینے میں مسلسل دیکھتا جا رہا تھا۔

پھر وہ ٹھٹک گئی۔ ایکدم سے رک کر بائیک والے کو دیکھنے لگی۔ سوال پیدا ہوا۔ "یہ کون ہے؟ کیوں میرے آگے آگے چل رہا ہے؟"

جس طرح وہ اسے دیکھ رہا تھا اسی طرح وہ عقب نما آئینے میں اسے دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس نے ہیلمٹ پہنا ہوا تھا۔ آئینے میں وہ تھا اس کا چہرہ نہیں تھا۔

وہ آگے بڑھی تو وہ بھی دونوں پیروں سے بائیک کو بڑھانے لگا۔ اس طرح وہ مسلسل آئینے میں دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ رک گئی۔ اسے غصے سے گھورنے لگی۔

تب اس نے بہت آہستہ آہستہ ہیلمٹ کو سر سے اتارا۔ جیسے پردہ اسرار اٹھتا ہے ویسے ہی وہ نگاہوں کے سامنے طلوع ہوا۔ اسے دیکھتے ہی دل دھک سے رہ گیا۔ وہ وہی بے وفا ہرجائی تھا۔ سر گھما کر اسے دیکھتے ہوئے بائیک سے اتر رہا تھا۔ مائلہ نے پہلے تو بے یقینی اور حیرانی سے اسے دیکھا۔ یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ پورے ایک برس بعد وہ کسی بلی کی طرح راستہ کاٹنے آجائے گا۔ پھر وہ نفرت سے اونہہ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی۔ "پلیز۔ رکو۔ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

وہ نہیں رکی۔ تمام مندمل ہونے والے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔ اس ہرجائی نے اسے نظروں سے گرایا تھا۔ اسے چھوڑ کر کسی دوسری کو گلے لگایا تھا۔ اب دوسری کو چھوڑ کر پھر اس کے پیچھے آرہا تھا۔

اس نے آواز دی۔ "مائلہ! رک جاؤ۔ میری ایک بات سن لو۔"

وہ دور ہو رہی تھی۔ چیخ پڑی۔ "جائیں یہاں سے... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"پلیز۔ مجھ سے بات تو کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی بات بن جائے۔"

"میں کہتی ہوں میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ مجھے اور بدنام نہ کریں۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی۔"

"مائلہ! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ کس قدر پچھتا رہا ہوں۔"

وہ رک کر بولی۔ "وہیں رک جائیں۔ ایک قدم بھی آگے بڑھے تو گاڑیوں کے نیچے آجاؤں گی۔"

وہ رک گیا۔ مائلہ فٹ پاتھ کے کنارے تھی۔ گاڑیاں چیختی چلاتی ہوئی اس کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے سڑک پر چھلانگ لگا دے گی۔

وہ آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ لیکن جہاں تھا وہیں جم کے کھڑا ہوا تھا۔ مائلہ نے کہا۔ "جائیں یہاں سے۔ میں کہتی ہوں چلے جائیں۔ آپ کے ساتھ بدنام ہونے سے پہلے مر جاؤں گی۔ آپ کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ آخری بار کہتی ہوں چلے جائیں۔"

قریب سے گزرنے والی گاڑیاں بھی جیسے چیخ رہی تھیں۔ جاؤ... جاؤ... جاؤ...

وہ پاؤں پٹخ کر بولا۔ "نہیں جاؤں گا۔ اپنی بات کہہ کر ہی جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس کے سامنے وہ ہوا جس کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مائلہ نے یکبارگی پلٹ کر سڑک پر چھلانگ لگا دی۔

پھر جیسے قیامت کا شور برپا ہو گیا۔ گاڑیاں زوردار بریک کی آوازوں کے ساتھ ادھر ادھر ہوئیں۔ کچھ ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ کچھ پیچھے کی طرف گھوم گئیں۔ رکشے الٹ گئے۔ بائیک والے فٹ پاتھ پر چڑھ گئے۔

کبھی کبھی معجزہ ہوتا ہے۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ کسی گاڑی سے نہیں ٹکرائی تھی۔ گاڑیاں اس کے قریب آنے سے پہلے ہی ادھر ادھر ہو گئی تھیں۔ وہ موت کو آس پاس دیکھ کر سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے تھے۔ آنکھیں بند کئے انتظار کر رہی تھی کہ بس اب تب میں گاڑیاں اسے کچلتی ہوئی وہاں سے گزرنے والی ہیں۔

ایسے وقت کسی نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسے کھینچتا ہوا گاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا دوسرے فٹ پاتھ پر آگیا۔ پھر اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ "مائلہ! آنکھیں کھولو۔"

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اسے تھامنے والا ٹریفک کے جہنم سے نکالنے والا عمران تھا۔ وہ حیرانی سے بولی۔ "تم...؟"

وہ غصہ دکھاتے ہوئے بولا۔ "ہاں میں۔ اگر نہ آتا تو تم خودکشی کر چکی ہوتیں۔"

مائلہ نے سر گھما کر دیکھا۔ دوسرے فٹ پاتھ پر جاذب کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ الٹی ہوئی گاڑیاں سیدھی ہو رہی تھیں اور جو سیدھی تھیں ان کے ڈرائیور اور مالکان کہہ رہے تھے کوئی عورت اچانک سامنے آگئی تھی۔

کسی نے پوچھا۔ "عورت تھی یا لڑکی؟ وہ کہاں ہے؟"

دونوں طرف کے فٹ پاتھ پر کئی عورتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کوئی مائلہ کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسی نے یہ ہنگامہ ٹریفک کو چشم زدن میں الٹ پلٹ کر دیا تھا۔

عمران نے کہا۔ "چپ چاپ یہاں سے نکل چلو۔ ورنہ ٹریفک پولیس والے جان کو آجائیں گے۔"

مائلہ نے دوسرے فٹ پاتھ کی سمت دیکھا۔ جاذب لوگوں کی بھیڑ میں نظر آرہا تھا۔ عمران نے پوچھا۔ "وہ کون ہے؟ تم غصے میں اسے کچھ کہہ رہی تھیں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ میں یہاں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ تمہارے پیچھے آرہا تھا۔ تم نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے سڑک پر آگئیں۔"

ٹریفک رکا ہوا تھا۔ رخشی گاڑیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی مائلہ کے پاس آئی۔ اسے چھو کر دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم ٹھیک تو ہو نا؟ میں وہاں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ کم بخت جاذب کہاں سے مرنے آگیا؟ اور تم کیا جان دینے والی تھیں؟"

وہ کترانے کے انداز میں بولی۔ "میں نہیں جانتی۔ گھر چلو۔"

عمران نے کہا۔ "مائلہ! چھوٹی سے چھوٹی بات کو اہمیت دینی چاہئے اور یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ تم نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور..."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "پلیز۔ یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔ تم نے مجھے سنبھالا ہے۔ تم بہت اچھے ہو۔ میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ ابھی مجھ سے کچھ نہ بولو۔ پلیز..."

وہ رخشی کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔ وہ کچھ بول نہ سکا۔ چپ چاپ اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے اور آنکھوں سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے فٹ پاتھ کی طرف دیکھا۔ جاذب لوگوں کی بھیڑ میں نظر آرہا تھا۔ اپنی بائیک اسٹارٹ کرنے کے بعد وہاں سے جا رہا تھا۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ مائلہ دور جا کر اپنی سہیلی کے ساتھ ایک بس میں سوار ہو رہی تھی۔ پھر وہ بس آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آتے ہوئے سامنے سے گزرنے لگی۔ مائلہ کھڑکی کے پاس سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے بڑی حسرت سے اسے دیکھا۔ دید کے لمحات مختصر تھے۔ بس گزر گئی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

وہ بیتے ہوئے لمحات کی طرح گزر رہی تھی اور دیکھنے والے دیکھ رہے تھے۔ دور تک سڑک کے آر پار تھے۔ عمران نے بڑی ناگواری سے اسے دیکھا۔ وہ اپنی بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ بائیک احتجاج کر رہی تھی۔ انجن ہچکیاں لیتا تھا پھر چپ ہو جاتا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا سڑک پار کرتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔ بائیک اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ عمران نے گاڑی کے ہینڈل کو مضبوطی سے تھام کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

جاذب نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "تم اسے پریشان کیوں کر رہے تھے؟"

"کسے...؟" جاذب نے پوچھا۔ پھر دور ایسے دیکھا جیسے مائلہ کو جاتے دیکھ رہا ہو۔

عمران نے کہا۔ "تم اسے پریشان کر رہے تھے۔ وہ تم سے نجات پانے کے لئے بھاگتی ہوئی گاڑیوں کے درمیان آگئی تھی۔ خوش قسمتی سے بچ گئی۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو...؟"

"تو کیا کرتے؟ تم مجھے گولی مار دیتے؟"

"میں یہ زحمت نہ کرتا۔ یہ آتے جاتے لوگ تمہاری اچھی طرح پٹائی کرتے۔ پھر پولیس والے تمہیں اندر کر دیتے۔"

جاذب نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "افسوس ایسا کچھ نہیں ہوا۔ سامنے سے ہٹو اور مجھے جانے دو۔"

عمران نے انجان بن کر پوچھا۔ "پہلے یہ بتاؤ تم کون ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟"

"نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ نام ایکس وائی زیڈ کچھ بھی ہے۔"

عمران نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "تمہارا نام جاذب ہے اور تم خان اعظم خان کے بیٹے ہو۔"

وہ حیرانی سے بولا۔ "او گاڈ! تم میرا نام ہی نہیں میرا شجرہ بھی جانتے ہو۔"

عمران نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "اس بے چاری کا دل توڑنے کے بعد کیوں اس کا پیچھا کر رہے ہو؟"

"میں نے اس کا دل نہیں توڑا ہے۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے بدظن کیوں ہے؟"

"بہت خوب۔ مائلہ سے محبت کا ناٹک کرتے رہے اور شادی کسی اور سے کر لی اور پوچھتے ہو کہ وہ بدظن کیوں ہے؟"

"بکواس کر رہے ہو۔ میں نے کسی سے شادی نہیں کی ہے۔"

"کیا جھوٹ بولنے سے یہ سچائی چھپ جائے گی کہ تم کسی کے مجازی خدا ہو؟"

وہ غصہ میں کچھ کہنا چاہتا تھا پھر رک گیا۔ ذرا سوچنے کے بعد بولا۔ "کیا مائلہ یہ سمجھ رہی ہے کہ میں نے اسے دھوکا دیا ہے؟ اور کسی اور سے شادی کر لی ہے؟"

"مائلہ یونہی نہیں سمجھ رہی ہے۔ تمہارے والد نے یہ خبر پہنچائی ہے۔"

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "ڈیڈ ابنارمل ہیں۔ یہ مائلہ اچھی طرح جانتی ہے۔"

"تمہارے ڈیڈ ابنارمل ہیں۔ لیکن شادی کا دعوت نامہ تو غلط نہیں ہو سکتا۔ تمہارے گھر والوں کی طرف سے بھیجے ہوئے دعوتی کارڈ میں تمہارا اور تمہاری دلہن کا نام ہے۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا تم نے وہ دعوت نامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ "نہیں... مائلہ کی ایک سہیلی رخشی نے مجھے بتایا ہے۔ وہ اس کے سامنے والے فلیٹ میں رہتی ہے۔"

"پھر تو رخشی غلط کہہ رہی ہے۔ دو ماہ پہلے میرے چھوٹے بھائی شاہ زیب کی شادی ہوئی ہے۔ اس کے نام سے دعوت نامے تقسیم کئے گئے تھے۔ ذرا سوچو ایسے دعوت نامے میں میرا نام کیسے شائع ہو جائے گا؟"

"تم خود کہتے ہو کہ تمہارے ڈیڈی ابنارمل ہیں۔ اور جو ابنارمل ہوتے ہیں وہ بڑے تماشے کرتے ہیں۔ جاؤ اپنے گھر والوں سے پوچھو یہ تماشہ یہ جادوگری کیسے ہوئی کہ چھوٹے بھائی کی شادی میں بڑے بھائی کا دعوت نامہ چھپ گیا۔"

یہ بات اس کے دل کو لگ رہی تھی۔ اس کے ڈیڈ اسے مائلہ سے جدا کر دینے کے لئے ایک بار دور کی کوڑی لائے تھے۔ خون کی بوتل کے ذریعہ ان دونوں کو لہو کے رشتے سے بھائی بہن بنا دیا تھا۔ بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ ہسپتال میں خون دینے سے کوئی سگی بہن یا کوئی سگا بھائی نہیں بن جاتا۔

عمران نے کہا۔ "سڑک کے کنارے کیا سوچ رہے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ تم نے شادی نہیں کی ہے اور مائلہ کو دھوکا نہیں دیا ہے تو جاؤ اپنی سچائی ثابت کرو۔"

اس نے پوچھا۔ "کیا وہ دعوت نامہ لا کر مجھے دے سکتے ہو؟"

"وہ دعوت نامہ دل توڑنے والا تھا۔ رخشی نے بتایا ہے کہ مائلہ نے اسے پھاڑ کر چولہے میں ڈال دیا تھا۔"

وہ بولا۔ "بڑی مشکل ہے۔ مائلہ نے اپنے فون کی سم بدل دی ہے۔ میں اس سے رابطہ نہیں کر سکتا۔ پلیز مجھے اس کا فون نمبر بتاؤ۔"

"ہم انگلش لینگویج کی کلاس میں ملتے ہیں۔ میری اس سے زیادہ شناسائی نہیں ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اس کے گھر کیوں نہیں جاتے؟"

"ایک بار گیا تھا۔ اس کے بھائی نے پچھلے لفٹ کے پاس ہی راستہ روک کر کہا۔ 'میری بہن کو ایک بار اپنا خون دے کر بڑی طرح بدنام کر چکے ہو۔ پتہ نہیں اب اس کا رشتہ آئے گا بھی یا نہیں؟ ہم کوشش کر رہے ہیں کسی طرح نیک نامی سے وہ اپنے گھر کی ہو جائے۔ خدا کے لئے اسے اور بدنام نہ کرو۔ ہم کو عزت سے رہنے دو۔ خدا کے لئے ادھر نہ آنا۔'"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "نہ وہ ملاقات کرتی ہے نہ فون پر بات کرتی ہے۔ اب یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ وہ مجھے شادی شدہ سمجھ رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اس کی غلط فہمی کیسے دور کروں؟"

"تمہارے گھر والوں نے غلط فہمی پیدا کی ہے۔ ان سے کہو وہی یہ مشکل آسان کریں گے۔"

"مجھے یہی کرنا ہوگا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تم مائلہ کی غلط فہمی کے متعلق نہ بتاتے تو میں اندھیرے میں رہتا۔"

اس نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

عمران نے اس کی بات دہرائی۔ "نام پوچھ کر کیا کرو گے؟ نام ایکس وائی زیڈ کچھ بھی ہے۔"

اس بات پر دونوں ہنسنے لگے۔ عمران نے اسے اپنا نام بتایا پھر وہ بائیک اسٹارٹ کر کے وہاں سے جانے لگا۔ وہ جاذب کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ "کیا واقعی اس نے شادی نہیں کی ہے؟ کیا مائلہ کی غلط فہمی دور ہو جائے گی؟ اور... اور وہ پھر اس کی طرف مائل ہو جائے گی؟"

وہ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے سوچنے لگا۔ "نہیں۔ میں مائلہ کے تصور سے ہی بھرپور ہو جاتا ہوں۔ وہ نہ ملی تو ایکدم سے خالی ہو جاؤں گا۔ خدا کرے جاذب جھوٹا ہو۔ اس نے شادی کر لی ہو۔ پھر تو مائلہ میری صرف میری ہوگی۔"

☆☆☆☆☆

جاذب اپنی کوٹھی کے احاطے میں آکر رک گیا۔ اس کے ممی اور ڈیڈی لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ باپ نے اسے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "صاحبزادے دو پہیوں کی سواری پر آگئے۔"

ماں نے کہا۔ "وہ اپنے شوق سے بائیک چلاتا ہے۔ آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں؟"

"ہماری انسلٹ ہوتی ہے۔ ہمارے دفتروں کے ملازم کاروں میں آتے جاتے ہیں۔ اس کمبخت کو بائیک چلاتے دیکھ کر ہنستے ہوں گے۔ ہمارا مذاق اڑاتے ہوں گے۔"

"کوئی مذاق نہیں اڑاتا ہے۔ یہ آپ کی سوچ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ہم کروڑوں میں کھیلتے ہیں۔"

جاذب قریب آکر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "مام! شادی شاہ زیب کی ہوئی تھی۔ لیکن اس شادی کے ایک دعوتی کارڈ میں میرا نام دولہے کی حیثیت سے چھپوایا گیا ہے۔ اور وہ کارڈ مائلہ کے پاس بھجوایا گیا ہے۔ ایسا کس نے کیا ہے؟"

خان اعظم نے چور نظروں سے بیٹے کو دیکھا پھر ایسے تن کر بیٹھ گئے جیسے کہہ رہے ہوں "ہم نے تو کچھ نہیں کیا ہے۔"

بیگم نے حیرانی سے میاں کو دیکھا پھر کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمام کارڈز میں شاہ زیب کا نام تھا۔ شادی اس کی ہوئی تھی پھر بھلا ایک کارڈ میں تمہارا نام کیسے چھپ جائے گا؟"

خان اعظم انجان بنے ہوئے خلا میں تک رہے تھے۔ بیٹے نے انہیں دیکھا پھر کہا۔ "اگر چھپوایا جائے تو صرف ایک کارڈ میں بھی میرا نام چھپ سکتا ہے۔ بلکہ چھپ چکا ہے۔ کیوں ڈیڈ؟"

خان اعظم نے ناگواری سے کہا۔ "ہمیں ایسی بچگانہ باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر ایسا کوئی کارڈ چھپوایا گیا ہے تو ہمیں لا کر دکھاؤ۔"

"کیا دولہے کی حیثیت سے میرا نام پڑھنے کے بعد مائلہ نے اسے ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کیا ہوگا؟ اسے تو پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا۔ جلا دیا ہوگا۔"

باپ نے اطمینان کی گہری سانس لے کر بیٹے کو دیکھا پھر طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ "آپ ہم سے کیا کہنے آئے ہیں حضور...؟"

"پوچھنے آیا ہوں کہ وہ کارڈ کس نے مائلہ کے گھر پہنچایا ہے؟"

"ہم نے بھیجا ہے۔ ہمیں دماغی مریض سمجھ لیا گیا ہے۔ احتراماً ہمیں پاگل نہیں کہا جاتا۔ ابنارمل کہا جاتا ہے۔ تم اس پاگل کے پاس یہی اگلوانے آئے ہو کہ ہم نے فاضل رقم خرچ کر کے تمہارے نام کا ایک دعوتی کارڈ چھپوایا تھا پھر اسے تمہاری محبت کے پاس بھیج دیا تھا۔ جاؤ جا کر اعلان کرو۔ باپ کو بدنام کرنے کے سوا اور تم کیا کرو گے؟"

بیگم نے پوچھا۔ "کیا تم مائلہ سے ملے تھے؟"

"نہیں۔ آپ لوگوں کی مہربانی سے وہ میری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

باپ نے ایک زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔ "آج کی تازہ خبر ہے اور اچھی خبر ہے۔ خان اعظم خان کا دل خوش ہوا۔"

ماں نے کہا۔ "وہ تم سے ملنا گوارا نہیں کرتی پھر بھی اس کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔ اور ابھی ہمارا محاسبہ کرنے آئے ہو۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اسے ہماری طرف سے دعوت نامہ بھیجا گیا ہے؟"

"مجھے کسی سے معلوم ہوا ہے۔"

"گویا وہ دوسروں سے بولتی پھر رہی ہے۔ ہمیں خواہ مخواہ بدنام کر رہی ہے؟"

خان اعظم نے کہا۔ "بدنام کیسے کرے گی؟ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دعوت نامہ تو اس نے جلا دیا ہے۔"

جاذب نے کہا۔ "یعنی وہ دعوت نامہ تھا۔ آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ اسے جلا دیا گیا ہے۔ خوش ہو رہے ہیں کہ آپ کو بدنام نہیں کیا جائے گا۔"

"برخوردار... نہ ایسا کوئی دعوت نامہ ہم نے چھپوایا ہے۔ نہ کسی کو بھیجا ہے۔ تم مجھ سے کچھ اگلوانے کی چالاکی نہ کرو۔ جاؤ یہاں سے..."

وہ اٹھ کر جاتے ہوئے بولا۔ "جو سچ ہے وہ آج نہیں تو کل سامنے آئے گا۔"

باپ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بچہ تلملا رہا ہے۔ جو بچے باپ سے مقابلہ کرتے ہیں وہ اسی طرح انگاروں پر لوٹتے ہیں۔"

بیگم اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"سچ بتائیں اس دعوت نامے کا کوئی وجود تھا؟ کیا آپ نے ایسا کوئی کارڈ چھپوایا تھا؟"

"فضول باتیں نہ کرو۔ کیا بیٹے کی طرح تمہارا بھی سر پھر گیا ہے؟"

"کبھی کبھی آپ کا بھی سر پھر جاتا ہے۔ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں اور اس لڑکی سے تو آپ کو خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے۔"

"اور کیا تم اسے پسند کرتی ہو؟ اسے اپنی بہو بنانا چاہتی ہو؟"

"جو آپ کے گلے میں ہڈی کی طرح اٹک گئی ہے اسے میں کیسے پسند کر سکتی ہوں۔ ویسے اس بار آپ نے کامیاب چال چلی ہے۔ وہ ہمارے بیٹے سے بدظن ہو گئی ہے۔ اس سے ملنا بھی نہیں چاہتی ہے۔"

وہ فخر سے سینہ تان کر بولا۔ "بیٹا سیر ہے تو ہم سوا سیر ہیں۔"

"آپ نے صرف ایک کارڈ چھپوانے میں کافی رقم خرچ کی ہوگی۔"

"بس اتنی ہی رقم خرچ کی ہے جتنی کہ گاڑی آدھے دن میں پیٹرول کھاتی ہے۔"

"یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ کارڈ آپ نے چھپوائے ہیں؟"

"ایسی چالاکی اور کون کر سکتا ہے؟ اس کے لئے غیر معمولی ذہانت لازمی ہے اور یہ میرے پاس ہے۔"

وہ تیوری بل کر بولی۔ "کیا خاک ذہانت ہے۔ میں نے اگلوایا آپ نے اگل دیا۔ آخر کب تک بیٹے کی مخالفت کرتے رہیں گے؟"

خان اعظم نے غصہ سے میز پر ہاتھ مارا تو چائے کی پیالیاں اچھل پڑیں۔ اس نے دہاڑنے کے انداز میں کہا۔ "تم مجھ سے بات اگلوا رہی تھیں۔ مجھے تو بنا رہی تھیں۔ میں میں تمہیں بیٹھے بیٹھے ذلیل کر دوں گا۔"

وہ ایکدم سے گھبرا گئی۔ فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر جاتے ہوئے بولی۔ "ہائے ہائے یہ جو پریشان ہو کر آئی تھی۔ وہ چل گیا ہوگا۔"

وہ دوڑنے کے انداز میں میاں صاحب سے دور ہو گئی۔ اس نے کوٹھی میں آکر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ پھر اطمینان کی سانس لی۔ اب وہ ڈی کے آگے DIVORCE طلاق کے الفاظ نہیں سن سکتی تھی۔ اپنے ابنارمل شوہر سے یہی دھڑکا لگا رہتا تھا۔ جب میاں صاحب کا سر پھرتا تھا تو وہ اچھا برا کچھ نہیں سوچتے تھے۔ جو منہ میں آتا تھا بولتے چلے جاتے تھے۔ ایسی بیویاں دعائیں مانگتی ہیں کہ میاں انہیں گولی مار دیں لیکن طلاق کے جوتے نہ ماریں۔

☆☆☆☆

وہ رخشی کے ساتھ بس میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ ایک عرصہ بعد اچانک جاذب کے روبرو آتے ہی بدحواس ہو گئی تھی۔ اب تک خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

رخشی نے کہا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا۔"

مائلہ نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا اچھا نہیں کیا؟"

"تمہیں عمران کے ساتھ بے رخی سے پیش نہیں آنا چاہئے تھا۔ اس کے ساتھ ذرا لگاوٹ سے باتیں کرتیں تو جاذب جل بھن کر رہ جاتا۔"

"نہ مجھے اس سے کوئی لگاؤ ہے۔ نہ میں اسے جلانا کڑھانا چاہتی ہوں۔"

"توبہ ہے۔ وہ اچانک اتنے دنوں کے بعد کہاں سے آگیا؟"

"میں کیا جانوں؟"

وہ دونوں بس سے اتر کر پی جن ٹاور کی طرف جانے لگیں۔ رخشی نے کہا۔ "آج اسے دیکھ کر اپ سیٹ ہو گئی تھیں۔ ایسی بھی کیا بدحواسی کہ بھاگتی ہوئی گاڑیوں سے ٹکرانے چلی گئیں۔"

"میں ان لمحات میں مر جانا چاہتی تھی۔"

"پگلی ہو مائلہ! تم جان سے جاتیں اس کا کیا جاتا؟ تم نے مجھ سے اور عتیق بھائی سے وعدہ کیا ہے۔ اپنے لئے جیو گی اور ایک کامیاب زندگی گزارو گی۔" وہ دونوں باتیں کرتیں لفٹ کے ذریعہ اپنے فلور میں آگئیں۔ لیکن باتوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

مائلہ نے اعتراف کیا۔ "ہاں مجھ سے غلطی ہو گئی۔ اس وقت اس سے پیچھا چھڑانے کا ایک ہی راستہ نظر آیا تھا۔ میں توبہ کرتی ہوں۔ مجھے گھبرانا اور پریشان نہیں ہونا چاہئے۔"

"جاذب کی شخصیت ہوئی کمزوریوں پر حاوی ہونے کا ایک ہی راستہ ہے۔ عمران کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیتی رہو۔ وہ دل و دماغ میں سمائے گا تو جاذب خود بخود تمہارے دل و دماغ سے معدوم ہو جائے گا۔"

رخشی یہ نسخہ بتا کر اپنے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی اور مائلہ نے کال بیل کا بٹن دبایا۔

(جاری ہے)

محی الدین نواب

قسط نمبر 11

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

بینی صرف اس کی بھابھی ہی نہیں راز دار سہیلی بھی تھی۔ اسے جاذب کے بارے میں بہت کچھ بتاتا تھا اور ابھی وہ اس بے وفا کے ذکر سے کترانا چاہتی تھی۔ مگر کیا آفت آئی تھی وہ نظروں سے دور ہونے کے باوجود اس کے اندر چھپا رہتا تھا۔

اس نے دوسری بار کال بیل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھل گیا۔ اس نے باپ کو دیکھ کر سلام کیا پھر اندر آتے ہوئے پوچھا۔ ''بھابھی کہاں ہیں؟''

''بچے لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔''

''ہاں صبح سے ان کی طبیعت گری گری سی تھی۔ میں پیچھے جا رہی ہوں۔ انہیں میری ضرورت ہوگی۔''

منصور احمد نے کہا۔ ''ایک تو میں یہاں اکیلا پڑا رہتا ہوں۔ تم سب آتی جاتی رہتی ہو۔ میں دروازہ کھولتا رہتا ہوں۔ مجھے تو چوکیدار بن کر دروازے پر کھڑا رہنا چاہئے۔''

''سوری بابا جانی! میں نہیں جاؤں گی۔ آپ کمرے میں جائیں۔ آرام کریں۔ کیا آپ چائے پئیں گے؟''

وہ جواب دینا چاہتا تھا۔ اسی وقت بینی آگئی۔ اس نے سسر کو دیکھ کر سر پر آنچل رکھا پھر پوچھا۔ ''باپ بیٹی دروازے پر کیوں کھڑے ہیں؟''

مائلہ نے کہا۔ ''میں ابھی آئی ہوں۔ یہ بتاؤ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟''

بینی نے سسر کو دیکھا پھر جھجکتے ہوئے کہا۔ ''پریشانی کی بات نہیں ہے۔''

''ہر ڈاکٹر کا پہلا فقرہ یہی ہوتا ہے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر پریشانیاں اور دوائیں بڑھتی جاتی ہیں۔ آئیں کمرے میں چلیں۔''

منصور احمد نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ مائلہ نے کمرے میں آکر کہا۔ ''آپ کی صورت مرجھائی ہوئی سی ہے مگر مسکرا رہی ہیں۔ بات کیا ہے؟''

وہ اچانک ہی مائلہ سے لپٹ گئی۔ وہ بولی۔ ''ہائے بھابھی! آپ کا دل کتنی زور سے دھڑک رہا ہے۔ اتنے پیار سے لپٹنے کا مقصد تو بتائیں؟''

وہ اپنا منہ مائلہ کے کان کے پاس لے آئی پھر بڑی سرشاری اور جذبے سے بولی۔ ''تم پھوپھی بننے والی ہو۔''

مائلہ خوشی سے اچھل کر الگ ہوئی۔ ''کیا سچ...؟''

بینی نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ مائلہ پھر لپٹ کر بولی۔ ''ہائے بھابھی آپ نے تو بھائی جان کو لوٹ لیا۔ کیا انہیں خوش خبری سنائی ہے؟''

''ہاں ان کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ دو روز کی چھٹی لے کر آرہے ہیں۔ کہہ رہے تھے میرے ساتھ خوب آؤٹنگ کریں گے۔ اور کلر جھیل میں ایک رات گزاریں گے۔''

''میں ابھی بابا جانی کو یہ خوش خبری سناتی ہوں۔''

وہ تیزی سے چلتی ہوئی منصور احمد کے کمرے میں آئی۔ وہ بیڈ پر لیٹنے جا رہا تھا۔ اس نے ہاتھ تھام کر کہا۔ ابھی نہ لیٹیں۔ کیونکہ میں جو خوش خبری سنانے والی ہوں۔ اسے سن کر اچھلنے میں آسانی رہے گی۔''

''یہ میرے اچھلنے کی عمر نہیں ہے۔ اور میں تو آخری عمر میں ایک ہی خوش خبری سننا چاہتا ہوں اور وہ کبھی سنائی نہیں جائے گی۔''

''میں وہی سنانے آئی ہوں۔ آپ دادا بننے والے ہیں۔''

منصور احمد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ بیٹی کو بے یقینی سے دیکھنے لگے۔ بیٹی نے پوچھا۔ ''کیا ہوا...؟''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ میں بینی کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔ اسے بلاؤ۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ایسے وقت بہوئیں بزرگوں سے شرماتی ہیں۔ ابھی بھائی جان آرہے ہیں۔ آپ کا منہ میٹھا کریں گے۔''

اس نے ایک لمبی سانس کھینچی۔ مائلہ نے گھبرا کر پوچھا۔ ''بابا جانی! کیا ہوا...؟''

وہ چند ساعتوں کے لئے جیسے سانس لینا بھول گیا۔ ان چند ساعتوں میں بڑھاپے نے چیخ کر کہا۔ ''ایک بیمار بوڑھی کو ابھی یہ خوش خبری سناؤں گا۔''

مائلہ نے اسے جھنجوڑا۔ وہ آہستہ آہستہ سانسیں لیتے ہوئے بولا۔ ''خدا کا شکر ہے۔ ہمارے گھر میں ایک بچے کی ہنسی سنائی دے گی۔ میں یہ خوش خبری ابھی شیریں کو سناؤں گا۔''

اس نے زبیدہ کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ وہاں جانے پر پابندی لگائی گئی تھی۔ لیکن اب اس خوشی میں وہاں مٹھائی لے جاسکتا تھا۔ اس نے چشم زدن میں سوچ لیا تھا کہ زبیدہ تک کیسے پہنچنا ہے؟

مائلہ نے کہا۔ ''شیریں آنٹی ساتویں فلور میں رہتی ہیں۔ آپ اوپر کہاں جائیں گے۔ میں مٹھائی لے جاؤں گی۔''

انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ہرگز نہیں۔ یہ میری خوشی ہے۔ میں مٹھائی لے کر جاؤں گا۔ تمہارا بھائی آرہا ہے۔ اس کے لئے چائے ناشتہ تیار کرو۔''

وہ مٹھائیاں خریدنے لفٹ کے ذریعے نیچے چلے گئے۔

☆☆☆☆

جیتے رونے، چلنے پھرنے اور زمین پر گھسٹنے والے سب ہی زندگی گزار لیتے ہیں۔ زبیدہ بھی گزار رہی تھی۔ کبھی طبیعت سنبھل جاتی تھی اور کبھی سنبھالے نہیں سنبھلتی تھی۔

ایسے وقت غم حیات سے نجات پانے کے لئے دعائیں مانگو تو وہ بھی قبول نہیں ہوتیں۔ موت جیسے دور کھڑی تھی اور سسک سسک کر جینے کا تماشا دیکھتی رہتی ہے۔

وہ مٹھائی کے دو ڈبے لے کر تتلی کے گھر پہنچے۔ شیریں نے انہیں سلام کیا۔ پھر کہا۔ ''یہ دو بھاری بھرکم پیکٹس اٹھا کر آئے ہیں۔ دیکھیں تو کس بری طرح ہانپ رہے ہیں۔ آئیں آرام سے بیٹھ کر سانسیں درست کریں۔''

اس نے دونوں پیکٹس اس کے ہاتھوں سے لئے اور تتلی سے کہا۔ ''جاؤ، انکل کے لئے ٹھنڈا پانی لاؤ۔ زیادہ ٹھنڈا نہ لانا۔ یہ کھانسنے لگیں گے۔''

اس نے صوفوں کے درمیان آکر بیٹھتے ہوئے خوش خبری سنائی۔ شیریں نے کہا۔ ''مبارک ہو انکل! آپ کی دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ یقیناً ان پیکٹس میں مٹھائیاں ہیں۔ لیکن دو پیکٹس کیوں؟''

وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ ''وہ... وہ میں زبیدہ کو بھی خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔''

شیریں نے بڑی سنجیدگی اور ہمدردی سے اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ ''آپ کے بیٹے اور بہو نے منع کیا ہے۔''

''آج میں کسی کی نہیں سنوں گا۔ اتنی بڑی خوشی اس بیمار عورت کو نہیں سناؤں گا تو بڑی تکلیف ہوگی۔ میں ہنستا ہنستا بھول جاؤں گا۔''

پھر اس نے شیریں سے پوچھا۔ ''کیا تم بھی نہیں چاہتیں کہ میں بھرپور خوشیاں مناؤں؟''

شیریں نے ہمدردی سے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''آپ تنہا نہ جائیں۔ تتلی کو ساتھ لے جائیں۔''

☆☆☆☆

زبیدہ نے دروازہ کھولا تو تتلی کے ساتھ منصور احمد کو دیکھ کر خوش ہوگئی۔ وہ مٹھائی کا ایک ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ''بہت بڑی خوشخبری ہے۔ تمہیں سنائے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں دادا بننے والا ہوں۔''

مارے خوشی کے زبیدہ کی باچھیں کھل گئیں۔ اس کے چہرے سے، اس کی آنکھوں سے ایسی مسرتیں پھوٹ رہی تھیں، جیسے وہ دادی بننے والی ہو۔ منصور احمد کی خوشیوں کو وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے محسوس کر رہی تھی۔

وہ انہیں مبارکباد دے رہی تھی۔ ہونے والے پوتے یا پوتی کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔ تتلی نے بے چین ہو کر کہا۔ ''آنٹی! ڈبہ تو کھولیں۔ میں نے ابھی تک منہ میٹھا نہیں کیا ہے۔''

وہ فوراً ہی ڈبہ کھولتے ہوئے بولی۔ ''ہاں ہاں۔ لو منہ میٹھا کرو۔''

اس نے اپنے ہاتھ سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا تتلی کے منہ میں رکھا۔ وہ کھاتے ہوئے بولی۔ ''انکل کو بھی کھلائیں۔''

زبیدہ نے ہچکچاتے ہوئے انہیں دیکھا۔ پھر مٹھائی کا ڈبہ ان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ایک پیس اٹھاتے ہوئے بولے۔ ''پہلے تم منہ میٹھا کرو۔''

انہوں نے مٹھائی والا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ خوشی اس طرح بھی شیئر کی جاسکتی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے مٹھائی کھلاتے۔ مگر یوں کھلانے پلانے کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ دنیا والے بڑھاپے میں بھی محاسبہ کر رہے تھے۔

زبیدہ نے ایک ذرا سی مٹھائی لے کر منہ میں رکھی۔ منصور نے پوچھا۔ ''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''

''خدا کا شکر ہے۔ سنبھل گئی ہے۔ سوچ رہی تھی تتلی کے ساتھ نیچے پارک میں جاؤں گی۔ تھوڑی دیر کھلی فضا میں رہوں گی۔''

''بے شک۔ تمہیں چار دیواری سے باہر نکلنا چاہئے۔ ابھی چلو۔''

زبیدہ نے ہچکچاتے ہوئے تتلی کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ''ہم ساتھ نہیں جاسکیں گے۔ باہر پتھر ہی پتھر ہیں۔''

وہ شکست خوردہ سے ہو کر بولے۔ ''ہاں۔ میں بھول گیا تھا۔ تم تتلی کے ساتھ چلی جاؤ۔ میرے لئے یہ بہت ہے کہ تم چلنے پھرنے لگی ہو۔''

وہ تھوڑی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر تتلی نے کہا۔ ''انکل! امی نے کہا تھا آپ یہاں زیادہ دیر نہ بیٹھیں۔''

وہ بڑے دکھ سے بولا۔ ''یہ کیسی پابندیاں ہیں۔ دنیا ہمارا بڑھاپا اور بے چارگی کیوں نہیں دیکھ رہی ہے؟ کیا اس عمر میں دو بوڑھے ایک دوسرے کی دلجوئی نہیں کرسکتے؟ ایک دوسرے کا دکھ بانٹ نہیں سکتے؟''

زبیدہ نے سر جھکا لیا۔ وہ بھی سر جھکا کر ڈگمگاتے ہوئے اور سنبھلتے ہوئے جانے لگا۔ اس کا انداز کہہ رہا تھا۔

دونوں جہان تیری محبت میں ہار کے
وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

زبیدہ دروازے سے لگی انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ بہت زیادہ کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ سوچ رہی تھی۔ ''منصور احمد خلوص کا پیکر ہیں۔ اخلاق اور تہذیب کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کرتے۔ وہ ایسے مخلص ہیں، ایسے بے لوث ہیں کہ انہوں نے کبھی دل دکھانے والی بات نہیں کی۔ کبھی میری توجہ نہیں چاہی۔ مجھے ہی توجہ دیتے رہتے ہیں۔ میرے لئے پریشان ہوتے رہتے ہیں۔''

وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ''شیریں بھی مخلص ہے۔ کسی غرض کے بغیر دکھ بیماری میں میرے کام آتی رہتی ہے۔ محلے والے صرف منصور احمد پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مرد ہیں، نامحرم ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ بڑھاپے میں بھی محرم اور نامحرم کی چھاپ لگائی جائے؟''

وہ چونک گئی۔ تتلی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہہ رہی تھی۔ ''آنٹی! چلیں ناں... پارک میں بڑا مزہ آئے گا۔''

اس نے بڑی نقاہت سے کہا۔ ''نہیں بیٹی! میں دو قدم بھی نہیں چل سکوں گی۔ تم پارک میں جا کر کھیلو۔''

تتلی نے تعجب سے کہا۔ ''ابھی آپ نے انکل سے کہا تھا طبیعت سنبھل گئی ہے۔''

وہ ایک ہاتھ سے دیوار کا سہارا لے کر کمرے کی طرف چلتے ہوئے بولی۔ ''تمہارے انکل کو یہی معلوم ہونا چاہئے کہ میری طبیعت سنبھل رہی ہے۔ میں اپنی دکھ بیماری کم نہیں کرسکتی۔ مگر ان کی فکر اور پریشانی کو تو کم کرسکتی ہوں۔''

وہ کمرے میں آکر بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر ہانپنے لگی۔ مٹھائی کے ڈبے کو سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''ڈاکٹر مریضوں کو جینے کا حوصلہ دینے کے لئے جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں کہ مرض تشویشناک نہیں ہے۔ بچوں کو جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ مگر انکل کا دکھ کم کرنے کے لئے تم جھوٹ کہو گی تو اللہ معاف کرے گا۔''

وہ ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔ ''اب میں جاؤں؟''

''ہاں بیٹی! جاؤ...''

وہ اچھلتی کودتی وہاں سے چلی گئی۔ زبیدہ خالی خالی نظروں سے گونگی دیواروں کو دیکھنے لگی۔ سرہانے والی میز پر دوائیں اور پانی سے بھرا جگ رکھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ٹیلی فون خاموش پڑا تھا۔ اسے پچھلے ایک ماہ سے چپ لگی ہوئی تھی۔ شیریں شکایت درج کراتی تھی۔ فون لائن عارضی طور پر ٹھیک ہوتی تھی۔ پھر اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی تھی۔

اس نے ایک ماہ پہلے عالیہ سے بات کی تھی اور اسے شیریں کا فون نمبر دے کر کہا تھا۔ ''میرا فون اکثر خراب رہتا ہے۔ اگر رابطہ نہ ہو تو شیریں کے نمبر پر مجھے کال کر لینا۔''

عالیہ شوہر اور بچوں میں مصروف رہتی ہوگی۔ اس نے شیریں کے فون پر بھی ماں کو یاد نہیں کیا تھا۔ کوئی تو مجبوری ہوگی، وہ ماں کے لئے فکرمند رہنے والی، اس کے لئے تڑپنے والی کال نہیں کر رہی تھی۔

یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ فون خراب ہے، وہ اٹھتے بیٹھتے اسے دیکھتی رہتی تھی۔ یہ ایک عادت سی ہوگئی تھی۔ بیٹی اسی ایک دروازے سے آکر اپنی آواز سنا سکتی تھی۔

لہو کے رشتے ٹوٹتے نہیں ہیں۔ اس نے ماں سے رشتہ نہیں توڑا تھا۔ مگر جانے بیٹی کے ساتھ کیسے حالات تھے کہ اس کا وجود ہوتے ہوئے بھی نہیں تھا۔ اس نے فون کی طرف دیکھا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ لیٹ گئی۔ ایسے وقت دل رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ''یااللہ! جب تنہا ہی رہنا ہے تو مجھے قبر کی تنہائی دے۔ میں تھک گئی ہوں۔ تو مجھے ہمیشہ کے لئے کب سلائے گا؟''

اس کے دل میں دو ہی آرزوئیں رہ گئی تھیں۔ بیٹی آجائے یا موت آجائے۔

☆☆☆☆

دوسرے دن انگلش لینگویج کی کلاس میں جاتے وقت رخشی نے مائلہ سے کہا۔ ''آج تم عمران کے ساتھ بیٹھو گی۔''

''وہ جاذب کے بارے میں سوالات کرے گا۔''

''کرنے دو۔ تم ایسے جواب دو جیسے اس سے کوئی لگاؤ نہیں ہے اور تم عمران کو اس پر ترجیح دے رہی ہو۔''

وہ بڑی شکستہ دلی سے بولی۔ ''ہاں۔ مجھے اس سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ لیکن عمران کو لفٹ دینے والی کوئی بات نہیں کروں گی۔''

''نہ کرنا۔ وہ خود ہی تمہیں اپنے راستے پر لے آئے گا۔''

وہ دونوں کلاس میں آگئیں۔ دوسری لڑکیاں اور لڑکے بھی آرہے تھے۔ وہ عمران کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔ ''تھینک یو۔ آج تو میری عید ہوگی۔ ایسے وقت وہ... وہ کیا شعر ہے۔''

وہ سوچ سوچ کر بولنے لگا۔ ''وہ آئے ہماری کلاس میں ٹیچر نے یہ کہا۔ خوش رہو دل والو آج پڑھائی نہیں ہوگی۔''

مائلہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ ''یہ کوئی شعر ہے؟ شاعر سنیں گے تو شاعری سے توبہ کرلیں گے۔''

''جلدی میں یہی شعر بن سکا۔ بائی دا وے تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''ٹیچر سے ڈانٹ سنو گے۔''

''یہاں نہیں۔ کلاس اور گیدرنگ کے بعد کے ایف سی چلیں گے۔''

''رخشی بھی چلے گی۔''

''نو پرابلم۔ وہ میری بھی سہیلی ہے۔''

کلاس کے بعد لڑکے لڑکیوں کی گیدرنگ ہوتی تھی۔ وہ سب مختلف ٹولیاں بنا کر ادھر ادھر بیٹھ کر انگریزی بولتے تھے۔ عمران نے مائلہ کو دیکھ کر ایک لڑکے سے کہا۔ ''ہم ایک نئی زندگی شروع کر رہے ہیں۔''

مائلہ مسکرانے لگی۔ لڑکے نے کہا۔ ''اس کی انگریزی بہت آسان ہے۔ 'وی آر اسٹارٹنگ اے...'''

مائلہ نے اسے ٹوک دیا۔ ''وی آر اسٹارٹنگ نہیں۔ وی آر گوئنگ ٹو اسٹارٹ اے نیو لائف۔''

عمران نے مسکرا کر پوچھا۔ ''از اٹ ٹرو رخشی...؟''

وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ ''آئم رخشی اپ سٹ۔ آئی ڈونٹ نو وہاٹ ٹو ڈو؟''

''ہیئر آئم (میں ہوں نا) ڈونٹ بی اپ سٹ۔''

رخشی نے مسکرا کر کہا۔ ''وہاٹ اے لونگ لیسن۔ کیری آن...''

ان تینوں نے کے ایف سی میں بھی اچھا خاصا وقت گزارا۔ پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ وہ کبھی ریستوران میں کبھی پارک میں اور کبھی شاپنگ کرتے ہوئے ساتھ رہنے لگے۔ ایسے وقت رخشی انہیں زیادہ سے زیادہ تنہا رہنے اور باتیں کرنے کا موقع دیتی رہتی تھی۔

عمران نے جلد ہی اس کا اعتماد حاصل کر لیا۔ مائلہ کے اس خیال کو تقویت ملی کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ تمام مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عمران سچا اور کھرا ہے۔ جاذب کی طرح بے وفا اور ہرجائی نہیں ہے۔

ایک روز عمران نے کہا۔ ''تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتی ہو۔ آخر اتنی محتاط کیوں رہتی ہو۔ اپنے گھر کا ایڈریس بھی نہیں بتاتیں۔''

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ''جب تک نہیں ہے۔ جب تک تم اپنے والدین کے ساتھ میرے گھر آنے کی بات نہیں کرتے۔''

وہ ذرا سنجیدہ ہو گیا۔ مائلہ نے کہا۔ ''میں تمہاری مجبوری سمجھ سکتی ہوں۔ تم ابھی میرے بارے میں اپنے والدین سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔ پہلے بہن کی شادی ہوگی۔ اس کے بعد تمہارا نمبر آئے گا۔ ایسا ہی ہے نا...؟''

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ وہ اسے بڑی اپنائیت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''میں انتظار کرسکتی ہوں۔ اگر میرے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے تو سال، دو سال تو کیا... ساری عمر تمہارا انتظار کرسکتی ہوں۔''

اس نے احسان مندی سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں ایک ریستوران میں تھے۔ وہ میز پر رکھے ہوئے کھانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''ذرا اس طرف بھی توجہ دو۔ گرما گرم بحث میں یہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چلو شروع کرو۔''

وہ اپنی پلیٹ میں لے کر کھانے لگا۔ وہ دوسری ڈشیں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''یہ سب میں نے تمہارے لئے منگوایا ہے۔ اپنی صحت دیکھی ہے؟ دھان پان سے ہو۔ اوپر سے بال بڑھا رکھے ہیں۔ لڑکیوں جیسے لگتے ہو۔ کتنی بار سمجھایا ہے اپنا حلیہ چینج کرو اور مردوں جیسی کاٹھی بناؤ۔ میری مانو تو جم جوائن کرو۔ فٹنس کے لئے بہت اچھا رہتا ہے۔''

وہ کھاتے کھاتے رک گیا۔ سنجیدہ سا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ وہ بولی۔ ''آجکل تم بہت پریشان رہنے لگے ہو۔ میں ہنستی ہوں تو ہنس دیتے ہو۔ ورنہ پھر وہی سنجیدگی۔ آخر بات کیا ہے؟''

''تمہیں تو پتہ ہے میری کوئی جاب نہیں ہے۔ ابو ماہانہ دس ہزار کماتے ہیں۔ ہم چار افراد جیسے تیسے گزارہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اب... بہن کے سسرالی شادی کے لئے دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ایک سال کے اندر اندر رخصتی چاہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا اتنی بڑی ذمہ داری کیسے پوری ہوگی؟''

اس کے حالات سن کر وہ بھی سنجیدہ ہوگئی۔ وہ بولا۔ ''ایک جگہ پانچ ہزار سے دو لاکھ کی کمیٹی شروع ہونے والی ہے۔ امی چاہتی ہیں ہم کسی طرح اس میں شامل ہو جائیں۔ کمیٹی ڈالنے والے شادی سے دو ماہ پہلے نمبر دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ لیکن پھر وہی مجبوری کہ پانچ ہزار آئیں گے کہاں سے...؟ میری ملازمت بہت ضروری ہے۔ میں تو مزدوری کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔ مگر...''

مائلہ اس کی پریشانیوں کو سمجھ رہی تھی۔ اسے تسلی دے رہی تھی۔ یہ حالات بڑے کڑوے ہوتے ہیں۔ اچانک ہی زندگی کا ذائقہ بدل دیتے ہیں۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد ملاقات ہوئی تو عمران کے چہرے پر خوشی کی رمق دکھائی دے رہی تھی۔ مائلہ نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے؟ کچھ کھلے کھلے سے لگ رہے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''مجھے جاب مل گئی ہے۔ انشاءاللہ اگلے ماہ سے بہن کی شادی کے لئے کمیٹی بھی شروع ہو جائے گی۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ویسے جناب کو تنخواہ کتنی ملے گی؟''

''چھ ہزار روپے ماہانہ...''

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''صرف چھ ہزار...؟ تم جیسے ویل ایجوکیٹڈ کو تو پندرہ بیس ہزار ملنے چاہئیں۔''

عمران کا سر جھک گیا تھا۔ وہ اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے جلدی سے بولی۔ ''چلو۔ ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو رہا ہے۔ تنخواہ کا کیا ہے؟ شروع میں کم ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ویسے... جاب کیا ہے؟''

اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ ''امی اور میری بہن ہمیشہ کہتی تھیں میں چائے بہت اچھی بناتا ہوں۔ آج اسی ہنر کی بدولت ایک آفس کے کچن میں نوکری مل گئی ہے۔ صبح سے شام تک چائے بنا بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں اور بڑے صاحب کے آفس کو صاف ستھرا رکھتا ہوں۔ واضح الفاظ میں کہا جائے تو میں چپڑاسی بن گیا ہوں۔''

وہ تعجب سے سن رہی تھی۔ عمران کی سنجیدگی کہہ رہی تھی، وہ مذاق نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ تقدیر کے مذاق کو بڑے حوصلے سے برداشت کر رہا ہے۔

وہ ذرا سنبھل کر بولی۔ ''حق حلال کی کمائی حاصل کرنے والے سر نہیں جھکاتے۔ مجھ سے آنکھیں ملا کر بات کرو۔ ادھر میری طرف دیکھو...''

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بولی۔ ''تم نے یہ ملازمت اپنی بہن کو سہاگن بنانے کے لئے قبول کی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ آج سے تمہارا مقام میری نظروں میں اور بڑھ گیا ہے۔ پلیز... خود کو کمتر نہ سمجھو...''

مائلہ کی حوصلہ افزائی نے جادوئی اثر دکھایا تھا۔ چند لمحوں پہلے وہ خود کو بہت کمزور اور ٹوٹا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ مگر پھر جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ یہ اطمینان ہوا تھا کہ چپڑاسی کی نوکری کرنے پر مائلہ نے اسے نظروں سے نہیں گرایا ہے۔

ملازمت کے باعث وقت بے وقت کی ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ وہ ہفتے میں دو تین بار اپنے آفس سے فون کر لیا کرتا تھا۔ اتوار کو چھٹی ہوتی تھی۔ مگر مائلہ اتنی بھی آزاد نہیں تھی کہ باپ اور بھائیوں کی موجودگی میں گھر سے باہر کسی سے ملنے چلی جاتی۔

(جاری ہے)

محی الدین نواب

قسط نمبر 13

تحفی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ موبائل فون کے ذریعے پی ٹی سی ایل پر کال کی جائے تو چارجز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ منصور نے بیس یا پچیس منٹ تک باتیں کی تھیں اور سو روپے کا بیلنس اڑ گیا تھا۔ یہ باتیں ان کے علم میں نہیں تھیں کہ کس طرح چوری پکڑی جانے والی ہے؟

وہ زبیدہ کو کال کرنے کے بعد اپنا سکون برباد کر چکے تھے۔ انہیں رات گئے تک نیند نہیں آئی۔ کروٹ کروٹ زبیدہ کی کھانسی سنائی دیتی رہی۔ چشم تصور سے اسے بار بار اٹھتے لیٹتے اور سانسیں بحال کرتے دیکھتے رہے۔

دوسرے دن وہ اس کی خیریت معلوم کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ جب عینی روٹین کے مطابق لنچ کے بعد سوگئی تو انہوں نے تحفی کو بلایا۔ اس کے ہاتھ میں فون تھماتے ہوئے کہا۔ "لو۔ نمبر ملاؤ اور یہیں بیٹھی رہو۔ تم نے بعد میں نمبر مٹا کر بہت اچھا کیا تھا۔ عینی اور منظور کو کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ بس تم روز اسی وقت آجایا کرو۔"

تحفی نے رابطہ ہوتے ہی فون ان کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر سننے لگے۔ زبیدہ کی بیمار سی آواز سنائی دی۔ "ہیلو... یہ آپ ہیں نا...؟"

"ہاں۔ کل رات مجھے نیند نہیں آئی۔ تمہیں کھانستے ہوئے سنتا رہا۔ یہی فکر ستاتی رہی کہ تم تنہا کس طرح اپنی دکھ بیماریوں سے لڑ رہی ہوگی؟"

"میں نے لڑائی بند کر دی ہے۔ تقدیر کی مار پڑ رہی ہے پڑتی رہے۔ آپ سے پھر کہتی ہوں میری فکر نہ کیا کریں۔"

"تم درست کہتی ہو میرے فکر کرنے سے تمہیں دوائیں نہیں ملیں گی اور تمہارے لئے دعائیں کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ جو ہونی ہے وہ ہو کر رہتی ہے۔ پھر بھی کسی کی بیماری بے بسی اور کسمپرسی کا تماشہ چپ چاپ نہیں دیکھا جاتا۔ ہمارا ضمیر کہتا ہے محض تماشائی نہ بنیں۔ کچھ تو اس کے کام آتے رہیں۔"

تحفی کو ان باتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ زبیدہ کی دکھ بیماری سمجھتی آئی تھی۔ یہ عمر مسائل میں الجھنے کی نہیں، کھیل تماشوں میں دل لگانے کی ہوتی ہے۔ وہ ٹی وی آن کر کے کارٹون دیکھ رہی تھی۔

منصور احمد نے آدھے گھنٹے بعد اسے فون دیتے ہوئے کہا۔ "تمہاری آنٹی سے زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ وہ تھک جاتی ہیں۔ لو ان کا نمبر مٹا دو۔"

چوری سے ملایا جانے والا نمبر دوسرے دن بھی ڈائلڈ میموری سے مٹا دیا گیا۔ تحفی چلی گئی۔ انہوں نے فون لے جا کر بہو کے سرہانے رکھ دیا۔

عینی صبح سے کئی بار اپنے فون کا بیلنس چیک کرتی رہی تھی۔ یہ تجسس تھا کیا آئندہ بھی ایسا ہو سکتا ہے؟ جب اس نے نیند سے بیدار ہو کر پھر ایک بار چیک کیا تو حیرت سے منہ کھل گیا۔ جیسے کوئی جادوئی تماشہ ہو رہا تھا۔ فون اپنی جگہ پڑا رہتا تھا اور بیلنس آپ ہی آپ کم ہو جاتا تھا۔ دوسرے دن بھی تقریباً نوے روپے کم ہو گئے تھے۔

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ "کیا بابا جانی...؟"

پھر اس نے انکار میں سر ہلا کر سوچا۔ "نہیں۔ وہ تو اسے آپریٹ کرنا ہی نہیں جانتے... کل دوپہر تحفی آئی تھی۔ کیا آج بھی آئی ہوگی؟"

اس نے سسر کے کمرے میں آکر پوچھا۔ "بابا جانی! کیا تحفی یہاں آئی تھی؟"

وہ اس سوال پر ذرا چونک گئے۔ کتاب بند کر کے ہچکچاتے ہوئے بولے۔ "آں... ہاں... آئی تو تھی... بات کیا ہے؟"

"کیا اس نے میرے فون کو ہاتھ لگایا تھا؟"

وہ لیٹے ہوئے تھے۔ ایکدم سے اٹھ کر بیٹھے تو کھانسی شروع ہو گئی۔ عینی فوراً ہی ایک گلاس میں پانی لے آئی۔ اتنی دیر میں انہیں کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع مل گیا۔ وہ دو گھونٹ پینے کے بعد بولے۔ "وہ تمہارے کمرے میں نہیں جاتی ہے۔ فون کو کیسے ہاتھ لگائے گی؟ ہوا کیا ہے؟"

"کل میں نے کوئی کال نہیں کی تھی اور میرے فون کا بیلنس ختم ہو گیا تھا۔ پھر تین سو کا کارڈ ڈالا تو آج نوے روپے کم ہو گئے۔ ہمارے گھر میں آج تک چوری نہیں ہوئی۔ پھر میرے فون سے رقم کون چرا رہا ہے؟"

وہ سن رہے تھے اور گھبرا رہے تھے۔ بیٹھے بیٹھے پہلو بدل رہے تھے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "میں ابھی کال سینٹر سے رابطہ کر کے معلوم کرتی ہوں۔ یہ نیٹ ورک کا ظلم ہے یا کوئی میرے فون کو مس یوز کر رہا ہے۔"

منصور احمد گھبرا رہے تھے۔ پیشانی اور گردن سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ وہ پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہ تجسس میں مبتلا ہو گئے۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا تھا؟

وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگئے۔ عقل سمجھا رہی تھی انہوں نے کوئی بہت بڑا جرم نہیں کیا ہے۔ اپنی ہی بھائی اپنی ہی بہو کے فون سے کال کی ہے۔ اعتراف کر لینے سے سبکی نہیں ہوگی۔

وہ بہو کے دروازے پر آکر رک گئے۔ وہ فون کو ہاتھ میں لئے زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ "کیا مصیبت ہے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "بیٹی! فون نہ کرو۔ اسے مم... میں نے استعمال کیا تھا۔"

اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "آپ نے...؟"

"پلیز... یہ بات منظور سے نہ کہنا۔"

"کیوں نہ کہوں؟ اس گھر کی ہر چیز پر آپ کا حق ہے۔ جسے چاہیں استعمال میں لا سکتے ہیں۔ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟"

"وہ... دراصل بات یہ ہے... یہ ہے کہ میں نے زبیدہ سے باتیں کی تھیں۔"

"او... اب بھی... آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا ان سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔"

"ایک بوڑھا کسی سے کیا تعلق رکھے گا بیٹی؟ کسی کے کیا کام آئے گا؟ ہم میں اتنی تو انسانیت ہونی چاہئے کہ کسی سے ہمدردی کے دو بول بول سکیں۔"

"آپ کتنوں کو انسانیت کا سبق پڑھائیں گے؟ کتنوں کو قائل کر سکیں گے؟"

"نہیں کر سکوں گا۔ جب اپنے بیٹے اور بہو کو قائل نہیں کر سکتا تو دنیا والوں کو کیسے کروں گا؟ صرف اتنا چاہتا ہوں اس بات کا بیٹے تک نہ جائے وہ منظور کو نہ بتاؤ۔"

"جو سچ ہے وہ نہ بتاؤں؟ آپ بہو کو سکھا رہے ہیں کہ بیٹے سے جھوٹ بولے۔ جو بیویاں ایک بار جھوٹ بولتی ہیں وہ بار بار جھوٹ بول کر شوہروں کو دھوکا دیتی رہتی ہیں۔ کیا یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ بھی یہی ہونا چاہئے؟"

وہ شکست خوردہ سے ہو کر وہاں سے جاتے ہوئے بولے۔ "اسے سچ بتا دو۔"

عینی نے کہا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں منظور آپ سے ناراض نہیں ہوں گے۔ کوئی سوال نہیں کریں گے۔ لیکن آپ بھی وعدہ کریں زبیدہ آنٹی سے پھر کبھی کسی طرح کا رابطہ نہیں رکھیں گے۔"

انہوں نے بہو کو دیکھا۔ "اس کے دروازے پر جانے سے بدنامی ہوتی تھی۔ تم سب نے روکا میں رک گیا۔ مگر یہ کیسی پابندی ہے؟ کیا ظلم ہے کہ فون پر ایک ذرا زبان ہلا کر مسیحائی بھی نہیں کر سکتا؟"

وہ کھانسنے لگے۔ کھانستے کھانستے کہنے لگے۔ "اتنی بڑی دنیا میں کیا ہم صرف اپنے لئے جی رہے ہیں؟ اگر اسے جینا کہتے ہیں تو مجھے ایسی زندگی منظور نہیں ہے۔ میں مر جاؤں گا یا دور سے ہی سہی اسے کسی نہ کسی طرح جینے کا حوصلہ دیتا رہوں گا۔"

وہ کھانستے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

☆☆☆☆

مڈل کلاس کے گھروں کے ڈرائنگ روم صوفوں، قالینوں اور رنگ برنگ پردوں سے آراستہ رہتے ہیں۔ دیواریں بھی سستے ڈسٹمپر کے باعث بہاروں کی طرح مسکراتی رہتی ہیں۔ یوں ہر گھرانہ خوش حال گھرانہ دکھائی دیتا ہے۔ باقی تمام کمروں کے سامان کو مہنگائی اور بے روزگاری الٹ پلٹ کرتی رہتی ہے۔

"ہیں کو اب کچھ نظر آتے ہیں کچھ..." ہم ہوتے کچھ ہیں دکھاتے کچھ ہیں۔ کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ کسی سے یہ کہنا، یہ دکھانا نہیں چاہتے کہ حالات کے مارے ہوئے ہیں۔ مائدہ بھی مار کھائی ہوئی تھی۔ کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ سب ہی کو نفرت سے مارا جاتا ہے۔ مجھ پر محبت سے پتھراؤ کیا جا رہا ہے۔ اپنی ہی توہین ہوتی کہ اسے ایک نہیں دو چاہنے والوں نے ٹھکرا دیا ہے۔

اس لئے وہ سلیقے سے لباس پہن کر سنور کر ہر طور پر مسکراتی رہتی تھی۔ وہ اپنے اندر کی سسکیاں خود نہیں سننا چاہتی تھی۔ خود کو خود سے دور رکھنے کے لئے ایکشن اور شور اور ہنگاموں سے بھرپور ٹی وی انگلش فلمیں دیکھتی تھی۔ اونچی آواز میں آرکسٹرا اور نغمے سنتی رہتی تھی۔ ایسے وقت کوئی ہرجائی اس کے اندر نہیں آتا تھا۔

لیکن اندھیرے سے آنے والے پتھروں کو کیسے روکتی؟ ایک صبح وہ نیچے دکان سے دودھ لانے کے لئے لفٹ میں آئی تو اس فلور کے ایک میاں بیوی بھی وہاں تھے۔ اس نے انہیں سلام کیا پھر سامنے دیوار کو دیکھتے ہی چونک گئی۔

اس دیوار پر ایک سفید کاغذ چپکا ہوا تھا۔ کاغذ پر لکھا تھا۔

"تمہاری قسم تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

میں نے کسی سے شادی نہیں کی ہے۔

تمہارا اور صرف تمہارا...

کون...؟

تم جانتی ہو۔"

دل کی دھڑکنیں یکلخت پاگل ہو گئیں۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ تحریر کس کی ہے اور کس کیلئے ہے؟ وہ چپکا ہوا تھا۔ بڑے سلیقے سے کہہ رہا تھا۔ "تم جانتی ہو۔"

اس کے ساتھ کھڑی ہوئی خاتون نے کہا۔ "یہ آج کل کے جوان کیسے کیسے ہتھکنڈوں سے پیغام رسانی کرتے ہیں۔"

اس کے شوہر نے کہا۔ "یہ عشقوں کے جوڑے اسی بلاک میں رہتے ہیں۔ اسی لئے اس لفٹ کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ پتہ نہیں کون ہیں۔ یہ لفٹ انہیں ایک دوسرے سے ملائے گی۔"

پھر انہوں نے مائدہ کو دیکھا۔ خاتون نے پوچھا۔ "تم منصور احمد کی بیٹی ہو؟"

اس نے سر ہلا کر کہا۔ "جی ہاں۔"

خاتون کے میاں نے پوچھا۔ "کون منصور احمد؟"

وہ بولی۔ "وہی جو بوڑھی زبیدہ سے..."

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ اس نے کن انکھیوں سے مائدہ کو دیکھا۔ پھر آگے کچھ کہنے سے پہلے ہی لفٹ رک گئی۔ دروازہ کھل گیا۔ وہ میاں بیوی باہر چلے گئے۔ مائدہ کا دماغ گرم ہو گیا تھا۔ وہ خاتون اس بلاک کی ان خواتین میں سے تھیں جو اس کے بابا جانی کو "بڑے میاں دیوانے" کہا کرتی تھیں۔

کیسے حالات تھے کہ جوانی میں بیٹی کو اور بڑھاپے میں باپ کو پتھر لگ رہے تھے۔ مگر نہیں۔ شاید ایک پتھر کم ہو رہا تھا۔ وہ تحریر زخم پر مرہم لگانے آئی تھی۔ کچھ ایسی ہی بات تھی۔ اب وہ کاغذ وہ تحریر نہیں تھی لیکن دل اب تک اس کی ایک ایک سطر اس کا ایک ایک حرف پڑھ رہا تھا۔

اور دل کہہ رہا تھا اسے خاموشی سے پکارنے والا یہیں کہیں ہے۔ شاید کہیں چھپا ہوا اسے دیکھ رہا ہے۔

وہ فوراً ہی اپنا دوپٹہ ادھر ادھر سے درست کرنے لگی۔ ایسے وقت ململ کا ایک حسین دوپٹہ ہی ڈھال ہوتا ہے۔ نادیدہ نگاہوں کے حملوں کو روک رہتا ہے۔ وہ سر کو ڈھانپ رہی تھی۔ کبھی ادھر سے کبھی ادھر سے بدن کو چھپا رہی تھی۔ شترمرغ کی طرح منہ چھپا کر پورے وجود کو چھپا لینا چاہتی تھی۔ بہت مشکل ہے مرد کی ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے بچنا بہت مشکل ہے۔

وہ دیکھ رہا تھا۔ اپنی کار کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھا اسے پی ٹی سی ٹاور کے احاطے سے باہر آتے دیکھ رہا تھا۔ ٹاور کے نچلے حصے میں دکانوں کا دور تک سلسلہ تھا۔ وہ کسی دکان کی طرف آ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا اس کی طرف آ رہی ہے۔

کار کے شیشے کالے تھے۔ مائدہ قریب سے گزرتے وقت اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ یوں بھی اسے اب تک بائیک پر دیکھتی رہی تھی۔ وہ پہلی بار اپنے بھائی شاہ زیب کی کار لے کر آیا تھا۔ وہ کار اس کی پہچان نہیں کر سکتی تھی۔ دل ادھر بھی دھڑک رہا تھا۔ ادھر بھی۔ پیار کا وائرلیس سسٹم دونوں کو دھڑکنوں کی آگاہی دے رہا تھا۔ لیکن ایک کو چھپا رہا تھا۔ دوسری کو دکھا رہا تھا۔

"یا اللہ! جاذب کہاں چھپے ہوں گے؟ میں دائیں بائیں دیکھوں گی تو وہ سمجھ لیں گے کہ میں انہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ انہیں ڈھونڈوں اور دیکھوں۔ اگر وہ دکھائی بھی دیں گے تو ایک ہرجائی کو دیکھنے سے پہلے اندھی ہو جانا چاہوں گی۔"

وہ آنے والی اب اتنے قریب ہو رہی تھی کہ اس کی صورت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گم ہو جانے کے بعد اب ایکدم اپنی سی لگ رہی تھی اپنی تو تھی ہی۔ لیکن ان لمحات میں دل کے اندر گھس کر شور مچا رہی تھی۔

اگرچہ وہ سر جھکائے چل رہی تھی لیکن جھکی جھکی چور نظریں کہہ رہی تھیں کہ اس نے پیغام پڑھ لیا ہے۔ اب بھی ناراض ہے۔ وہ پردے میں چھپ رہی ہے مگر دل ڈھونڈ رہا ہے۔ محبت کرنے والے ہی دلداریاں اور محبت کی چوریاں پکڑتے ہیں۔

جاذب نے کار کے دروازے کو ایک ذرا سا کھولا۔ ارادہ تھا کہ ابھی اسے روک لے۔ اس کی ساری غلط فہمیاں دور کرے۔ پھر وہ رک گیا۔ یاد آیا کہ پچھلی بار اسی طرح راستہ روک کر اسے منانا چاہا تھا۔ اور ناکام رہا تھا۔ اس نے اس سلسلے کو اتنا سنگین بنا دیا تھا کہ اسے سر راہ حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس معاملے کو سہولت سے نمٹانے کے لئے آج اس نے وہ تحریری پیغام لفٹ کے ذریعہ پہنچایا تھا۔ ابھی اس پیغام کے ردعمل کو دیکھنا اور سمجھنا چاہتا تھا۔ اس وقت دیکھ تو رہا تھا سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اگلی بار اس کے کانوں میں سحر پھونکنے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ کار آزمانے والا تھا۔

وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا رہ گیا۔ دروازہ ایک ذرا سا کھلا رہ گیا۔ باہر نکل کر اس کے روبرو ہونا مناسب نہیں تھا۔ اور دل تھا کہ اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

اور وہ تھی کہ انجانے میں کشاں کشاں چلی آرہی تھی۔ کسی بھی لمحے میں اس کی اسٹیرنگ سیٹ کے قریب سے گزرنے والی تھی۔

کیا وہ انجان رہ کر گزر جائے گی؟

نہ یہ اسے مخاطب کرے گا۔ نہ وہ سیاہ شیشے کے باعث اسے دیکھ پائے گی۔

اب تو کوئی معجزہ ہو کہ دل کا چور گاڑی سے برآمد ہو جائے۔

اور اب وہ قریب آگئی تھی۔ اسٹیرنگ سیٹ سے بالشت بھر کا فاصلہ تھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ گاڑی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ گزر رہی تھی وہ دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ گزر گئی۔ وہ سیٹ پر بیٹھا ذرا سر گھما کر اسے عقب نما آئینے میں دیکھنے لگا۔ گزرا ہوا وقت لوٹ کر نہیں آتا۔ لیکن معجزہ ہو گیا۔ آگے جانے والا وقت رک گیا۔ وہ رکی تو جاذب ایک لمبی سانس کھینچ کر چند ساعتوں کے لئے سانس لینا بھول گیا۔ یوں لگ رہا تھا وہ اب جیسے واپس آنے والی تھی۔

کمال یہ ہو رہا تھا کہ مائدہ کو چھپنے والے کا سراغ مل رہا تھا۔ وہ آگے جاتے جاتے رک کر گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اسے ہرجائی کی خوشبو مل رہی تھی۔ اس کا پسندیدہ پرفیوم سانسوں میں آکر کہہ رہا تھا۔ "میں یہیں ہوں۔ ڈھونڈ سے بے خبر ہی رہا ہوں۔"

خوشبو اپنی سمت بتا رہی تھی۔ مائدہ نے کن انکھیوں سے کار کو دیکھا۔ پھر سر گھما کر ایک ذرا سا کھلے ہوئے دروازے کو دیکھا۔ وہیں سے خوشبو ایسے آرہی تھی جیسے وہ آرہا ہو۔

وہ ایکدم سے گھبرا گئی۔ فوراً ہی پلٹ کر دودھ والے کی دکان کی طرف جانے لگی۔ اسے جاذب نظر نہیں آیا تھا۔ اس خوشبو نے سمجھا دیا کہ وہاں نہیں رکنا چاہئے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ پرفیوم صرف جاذب لگاتا ہو۔ اس شہر میں جانے کتنے لوگ اسے استعمال کرتے ہوں گے۔ پھر بھی خوشبو کے ذریعہ اس کی آہٹ مل گئی تھی۔ وہاں ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

جاذب نے عقب نما آئینے میں حیرانی سے دیکھا۔ وہ جو رک گئی تھی اور پلٹ کر آنے والی تھی آتے آتے پھر گئی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ کیا ہوا تھا؟ وہ چلتے چلتے کیوں ٹھٹک گئی تھی؟ آتے آتے کیوں بھٹک گئی تھی؟

"نہیں۔ اس نے میری موجودگی کو سمجھ لیا ہے۔ خدا جانے کیسے سمجھ لیا ہے؟ اس کا انداز بتا رہا ہے کہ وہ روبرو ہونے سے پہلے ہی کترا کر چلی گئی ہے۔ وہ چاہتی ہے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے اسی لئے مجھے دیکھے بغیر بھی طلسم محبت سے دیکھ لیا ہے۔"

اس نے سیٹ پر بیٹھے ہی بیٹھے گھوم کر پچھلی ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے دائیں بائیں کھڑکیوں سے دور تک نظریں دوڑائیں۔ وہ گم ہو گئی تھی۔

عجب آنکھ مچولی تھی۔ پہلے وہ چھپ رہا تھا۔ اب وہ چھپ رہی تھی۔ وہ سیٹ پر پہلو بدلنے لگا۔ کیا کرے؟ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ دل نہیں مان رہا تھا کہ اتنے قریب آجانے والی سے ملے بغیر چلا جائے۔

اور عقل کہہ رہی تھی۔ نہ ملے۔ سامنا نہ کرے۔ پہلے اسے دور ہی دور سے منائے۔ اسے یہ یقین دلائے کہ صرف اس کا ہی ہے۔ اسی لئے اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔

یہی دانشمندی تھی۔ اس نے دروازے کو بند کیا۔ کار اسٹارٹ کی پھر اسے دھیمی رفتار سے یوں چلاتا ہوا جانے لگا جیسے اب بھی کوئی امید ہو کہ وہ سامنے آجائے گی یا اسے آواز دے گی۔ لیکن وہ آگے جا رہا تھا اور خوش نصیبی کبھی پیچھے سے خوش کرنے نہیں آتی۔

بہرحال وہ خوش تھی مبادا کہ آگے نکلتا چلا گیا۔ بٹ ملک کارنر میں خاص دودھ ملتا تھا اس لئے صبح سویرے گاہکوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ مائدہ اس بھیڑ میں چھپ کر اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس نے اپنے اطمینان کے لئے سوچا۔ "اس کار میں جاذب نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو مجھے دیکھتے ہی کار سے نکل آتے۔ مجھے دھوکا ہوا تھا کسی اور نے ان کی پسند کا پرفیوم لگایا تھا۔"

وہ دودھ لے کر گھر آگئی۔ عینی کچن میں تھی۔ پراٹھے پکا رہی تھی۔ اس نے دودھ کو دیگچی میں ڈال کر اسے چولہے پر چڑھاتے ہوئے کہا۔ "بھابھی...!"

وہ مخاطب کر کے چپ ہو گئی۔ عینی نے پراٹھے کو توے سے اتارتے ہوئے کہا۔ "ہاں بولو۔"

"وہ ادھر آئے تھے۔"

عینی نے اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "کون...؟"

وہ جھجکی پھر انگلی سے کچھ لکھتے ہوئے بولی۔ "جاذب۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ کیا یہاں آیا تھا؟ تم سے ملا تھا؟"

"نہیں۔ میں نے صورت بھی نہیں دیکھی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا وہ آیا تھا؟"

"لفٹ کے اندر ایک بڑا سا کاغذ چپکا ہوا تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا..."

وہ چپ ہو گئی۔ عینی نے بے چینی سے قریب آکر پوچھا۔ "کیا تمہارا نام لکھا تھا؟"

مائدہ نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ "میرا نام ہی نہیں لکھا تھا۔"

وہ پھر چپ ہو گئی۔ عینی نے اس کے بازو کو پکڑ کر کہا۔ "مجھے کیوں الجھا رہی ہو۔ پوری بات کرو۔"

اس نے پوری بات بتائی کہ اس کاغذ پر کیا لکھا ہوا تھا۔ عینی تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "وہ جھوٹا اور فریبی ہے۔ تمہیں پھر دھوکا دینے کے لئے لکھا ہے کہ شادی نہیں کی ہے۔ نہیں کی ہے تو چمکتا دمکتا سنہری کارڈ کیوں چھپوایا تھا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ہو سکتا ہے کارڈ چھپوانے کے بعد کوئی مسئلہ پیدا ہو گیا ہو۔ شادی منسوخ ہو گئی ہو۔"

وہ اس کے بازو کو جھنجھوڑ کر بولی۔ "اے لڑکی! اٹھ پھر اس کی باتوں میں آرہی ہے۔ دل کی بات مان کر کہہ رہی ہے کہ اس نے شادی نہیں کی ہے۔ چلو نہیں کی ہے۔ مگر کر تو رہا تھا؟ تجھ سے منہ موڑ رہا تھا۔ اب پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے کہ پھر تیرے پیچھے بھاگنے لگا ہے۔"

"یہ تو وہی بتا سکیں گے کہ ان کے ساتھ کیسے حالات پیش آرہے ہیں۔"

"اور وہ مجبور اور مظلوم بن کر جو داستانیں سنائے گا تم یقین کر لوگی۔ پھر فریب کھاؤ گی۔ ایک سے نہیں دو سے فریب کھانے کے بعد بھی عقل نہیں آرہی ہے۔ اس کے لکھے ہوئے دو جملے پڑھ کر پگھل رہی ہو۔"

"میں ایک ذرا نہیں پگھلی۔ میں نے آپ کی نصیحت کو دل پر لکھ رکھا ہے۔ میں کسی بھی محبت کرنے والے پر بھروسہ نہیں کروں گی۔"

"تو پھر میری نصیحت کو دن رات سبق کی طرح یاد کرتی رہو۔ اس کا جادو بے اثر ہو جائے گا۔ یاد رکھو عورت اپنے مثبت ارادوں کی پختگی سے ہی کامیاب زندگی گزارتی رہتی ہے۔ جس کے ارادے کمزور ہوتے ہیں اور جو مرد کی چکنی چپڑی باتوں میں آجاتی ہے وہ ساری زندگی ہائے ہائے کرتی رہتی ہے۔"

عینی اس کی بھابھی تھی۔ ماں بن کر سختی سے نصیحت کرتی تھی اور سہیلی بن کر محبت سے سمجھاتی تھی۔ اس نے بھابھی سے اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کی۔ مگر چپ چاپ سی پریشان تھی۔ وہ تحریر کہہ رہی تھی کہ وہ دیوانہ ہے اور دیوانے سچے ہوتے ہیں۔ دھوکے باز نہیں ہوتے۔ وہ آئندہ بھی اس کے پیچھے آتا رہے گا۔

☆☆☆☆☆

اس بلاک کے تھرڈ فلور پر رونق لگی ہوئی تھی۔ نئے مکینوں کی انٹری ہو رہی تھی۔ آس پاس کے رہنے والوں نے اپنے اپنے دروازوں سے جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا... تیسری منزل کے ایک فلیٹ میں تیسری مخلوق آباد ہونے آئی ہے۔ ہونے کیا آئی ہے... ہو چکی ہے۔ وہ آنے والے...

نہیں... آنے والیاں... نہیں بھئی...

وہ نہ تو آنے والوں میں سے تھے نہ آنے والیوں میں سے۔ وہ ادھورے تھے نہ ادھر کے تھے نہ ادھر کے۔

تالیاں پیٹ کر ڈھولک بجا کر اپنے نئے گھر کا جشن منا رہے تھے۔ بھاری بھرکم آوازیں سُر تال سے یوں اٹھی ہوئی تھیں جیسے وہ عورت ذات سے بچے ہوئے تھے اور مرد ذات سے گھٹے ہوئے تھے۔

وہ اپنے خاص لب و لہجے میں گا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے گلے میں تازہ پھولوں کے ہار ڈالے گئے تھے۔ وہ سرخ جوڑے میں ملبوس ناچنے والوں کے درمیان ایسے کھڑا ہوا تھا جیسے نو بیاہتا دلہن شرمائی لجائی سی کھڑی ہو۔

میک اپ سے عاری چہرے پر غضب کی معصومیت اور سنجیدگی تھی۔ نین نقش ایسے تھے کہ وہ ان کے ساتھ نہ ہوتا تو سب ہی اسے دوشیزہ سمجھتے۔

ناچنے گانے والے بار بار اس کی بلائیں لے رہے تھے۔ شاید وہ دوشیزہ ہی ہوگی۔ وہ رقص میں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بس کبھی کبھی زیر لب مسکرا رہی تھی۔

ایک خاتون نے شدید حیرانی سے دیدے پھیلا کر پوچھا۔ "ہائے اللہ! کیا یہ ہمارے ساتھ اس بلڈنگ میں رہیں گے؟"

پڑوسن نے کہا۔ "دیکھ نہیں رہی ہو...؟ وہ گھر گرہستی کے سامان کے ساتھ آئے ہیں۔"

"مگر یہ تو ہجڑے ہیں۔ ان کے طور طریقے الگ ہوتے ہیں۔ یہ تو ہمارے ساتھ رہ لیں گے۔ مگر ہم نہیں رہ پائیں گے۔"

تیسری خاتون نے کہا۔ "میں نے کبھی کسی رہائشی پلازہ یا اور میں خسروں کو آکر آباد ہوتے نہیں دیکھا۔"

وہ سچ کہہ رہی ہوگی۔ مگر اس وقت پی ٹی سی ٹاور میں ان کی موجودگی بتا رہی تھی کہ ہماری دنیا واقعی گلوبل ویلج بن گئی ہے۔ ٹی وی چینلز اور انٹرنیٹ کے ذریعہ ساری دنیا سمٹ کر ڈرائنگ روم اور بیڈ روم میں آجاتی ہے۔ وہ بھی آگئے تھے۔ آگئی تھیں۔ انہیں کون روک سکتا تھا؟

اس بلاک ان کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ اوپر سے نیچے تک تقریباً سب ہی فلورز پر رہنے والے اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے۔ جھانک کر نیچے دیکھ رہے تھے۔ نیچے والے اوپر دیکھ رہے تھے۔ یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ تیسری منزل پر کچھ ہو رہا ہے۔ مگر کیا ہو رہا ہے؟ یہ جاننے کے لئے اوپر والے نیچے اور نیچے والے اوپر آنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں بچوں اور بڑوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب ہی تماشائی بنے انہیں دیکھ رہے تھے۔

(جاری ہے)

بندش

اپنے اپنے خبط میں مبتلا رشتوں کی پیچ دار کہانی

محی الدین نواب

قسط نمبر 14

ان تماشائیوں میں مائلہ بیٹی اور رشتی بھی تھیں۔ یہ تماشا ان ہی کے تیسرے فلور میں ہو رہا تھا۔

ایک خوش لباس خسرے نے ناچنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اے بیلا رانی! اشوریا! خوشبو...اے نصیبو...! بس کرو...ذرا چپ ہو جاؤ۔"

وہ سب رک گئے۔ ڈھولک خاموش ہو گئی۔ تالیوں کو چپ لگ گئی۔ اس خسرے نے مجمع کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "ہائے لوگو...! خوش ہو جاؤ۔ اس بلڈنگ میں بڑی برکت آئی ہے۔ اوپر والے کا کرم ہے۔ تمہارے بھاگ جاگنے والے ہیں۔"

پھر وہ پلٹ کر سرخ لباس والی دوشیزہ کو بڑی عقیدت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ساتھ یہ سدا سہاگن آئی ہے اور جہاں یہ آجائے، وہاں برکت ہی برکت...نوری نور پھیل جاتا ہے۔"

بیلا رانی نے سدا سہاگن کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "یہ پاکیزہ ہستی ہے۔ آؤ...آ کر اس کی دعائیں لے لو۔"

تمام افراد سدا سہاگن کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی سادہ سی شخصیت سب ہی کو متاثر کر رہی تھی۔ ایک بوڑھی خاتون نے کہا۔ "یہ درست کہہ رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ایسے بچے جنم لیتے ہیں، جو نہ مرد ہوتے ہیں نہ عورت۔ انہیں بچپن سے مرتے دم تک سرخ لباس پہنایا جاتا ہے اور سدا سہاگن کہا جاتا ہے۔"

ایک اور خاتون نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہمارے بزرگ کہتے تھے یہ پیدائشی سدا سہاگنیں بہت ہی نیک، پارسا اور عبادت گزار ہوتی ہیں۔ کبھی ان کا دل نہیں دکھانا چاہئے۔ ان کی دعائیں ہی نہیں، بددعائیں بھی اثر دکھاتی ہیں۔"

ایک بزرگ نے کہا۔ "ہمارے زمانے میں تو لوگ دعائیں کروانے کے لئے خاص طور پر ان کے پاس جایا کرتے تھے۔"

ایک شخص نے کہا۔ "زمانہ بہت بدل گیا ہے۔ اب وہ سدا سہاگنیں کہاں...؟ اب تو بس ناچنے گانے اور بھیک مانگنے والے رہ گئے ہیں۔"

اشوریا نے اسے گھورتے ہوئے تالی پیٹ کر کہا۔ "ہائے ہائے...! ہم بھکاری نہیں ہیں۔ عزت سے کماتے کھاتے ہیں۔"

ایک بڑے میاں نے ناگواری سے کہا۔ "کیسے کماتے کھاتے ہو ہم خوب جانتے ہیں۔"

سدا سہاگن کے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ اس نے ذرا جھک کر پیشانی تک ہاتھ لے جاتے ہوئے کہا۔ "سلامتی ہو تم سب پر...جو مسلمان سلام کرتا ہے۔ جواباً اس پر سلامتی بھیجی جاتی ہے۔ میں سدا سلامت نہیں رہنا چاہتی۔ مگر جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے اسے عزت سے جینا چاہتی ہوں۔"

ایسا کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ہم کچھ نہیں چاہتے۔ بے شک تم ہماری سلامتی نہ چاہو۔ بس...تھوڑی سی عزت دے دو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ پلٹ گئی۔ آنچل میں منہ چھپا کر فلیٹ کے اندر چلی گئی۔ اشوریا نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ہائے ہائے...! ہماری سہاگن رانی کا دل دکھا دیا۔ کیسی خوش خوش آئی تھی؟ اسے رلا کے کیا مل گیا؟"

ایک شخص نے کہا۔ "زیادہ نہ بولو۔ یہ بتاؤ اس کے ساتھ تم لوگ بھی یہاں رہو گے؟"

بیلا رانی مٹک مٹک کر چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر تالی پیٹ کر بولی۔ "ہائے صدقے جاؤں اس سوال پر...تم ہی بتاؤ کہ ہم بتلائیں کیا...یہ ہماری گرو ماں کا فلیٹ ہے۔ ہم اپنے میکے میں رہنے آئی ہیں۔"

بچے انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ منہ دبا کر ہنس رہے تھے۔ کچھ مرد حضرات منہ بنا رہے تھے اور کچھ دلچسپی لے رہے تھے۔ بڑی شوقی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ عورتیں اپنے مردوں کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا' ان کے دماغوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔

بیویوں کے ساتھ یہ بڑا المیہ ہے' وہ اپنے میاؤں کو ان دیکھی سوکنوں سے کھینچتی رہتی ہیں۔ ابھی انہیں سوچنا تھا' سمجھنا تھا کہ ان درمیان والوں کو کس کیٹگری میں رکھیں گی اور ان سے کس طرح نمٹیں گی؟

نصیبو نے فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے فلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "گرو ماں نے اسے پورے اٹھارہ لاکھ میں خریدا ہے اور ہمیں رہنے کو دیا ہے...ہاں۔"

اس نے 'ہاں' کہتے ہوئے بڑی ادا سے ایک انگلی ٹھوڑی پر رکھ لی۔ ایک شخص نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "مگر...مگر تم لوگ یہاں کیسے رہ سکتے ہو؟"

خوشبو نے قریب آ کر اس سے ذرا لگتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہائے...! تم کہو تو یہ فلیٹ چھوڑ دوں۔ اپنی ماں بہنوں کو چھوڑ دوں۔ ساری دنیا کو چھوڑ کر تمہارے فلیٹ میں آ جاؤں۔"

بیگم نے اپنے میاں کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "آپ پیچھے ہٹ جائیں۔ مجھے بات کرنے دیں۔"

خوشبو نے کہا۔ "اے بہن! ہمیں غلط نہ سمجھو۔ ہم تو یونہی دل لگی کرتے ہیں۔ دل خوش کرتے ہیں اور ہمارا کام ہی کیا ہے؟"

دوسرے شخص نے کہا۔ "ہم تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔ تم ہم میں سے نہیں ہو۔"

نصیبو نے کہا۔ "تم نے تو ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ ہاں۔ ہم تم میں سے نہیں ہیں۔ اپنی ان بہنوں میں سے ہیں۔"

اشوریا نے بڑی اداؤں سے گھومتے ہوئے خود کو ہر زاویے سے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہماری زلفیں' یہ ریشمی آنچل' ڈھیلا کرتا' تنگ پاجاما' پاؤں میں پائل' ہاتھوں میں چوڑیاں...یہ مان لو کہ ہم اپنی گرو ماں کی بیٹیاں ہیں...بیٹیاں..."

ایک شخص نے کہا۔ "تم بیٹے ہو یا بیٹیاں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ یہاں رہو گے تو ہمارا سکون تباہ ہو جائے گا۔"

بیلا رانی نے پلٹ کر کہا۔ "ہائے ری لڑکیو...! سنا تم نے...؟ یہاں پورا ملک تباہ ہو رہا ہے اور انہیں اپنے سکون کی پڑی ہے۔"

پھر وہ پلٹ کر اس شخص سے بولی۔ "اے میاں! کیا اخبار نہیں پڑھتے ہو؟"

نصیبو نے بڑی ادا سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "نہیں پڑھتے تو بولو...! ہم آ جائیں...ہم تو چلتا پھرتا اخبار ہیں۔"

وہ شخص گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "ان کے منہ لگنا فضول ہے۔ ہمیں یونین میں جا کر شکایت کرنی چاہئے۔"

دوسرے افراد بھی اس سے متفق ہو کر پیچھے جانے لگے۔ اشوریا بڑی سنجیدگی سے جانے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ بیلا رانی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کیا سوچ رہی ہے؟ یہ گرو ماں کا فلیٹ ہے۔ ہمیں یہاں سے کوئی نکال نہیں سکے گا۔"

اس نے پلٹ کر بیلا رانی کو دیکھا۔ پھر اچانک ہی موڈ کو خوشگوار بناتے ہوئے تالی پیٹ کر کہا۔ "نکلیں ہمارے دشمن...چل نصیبو...! ڈھول بجا اور ایسا بجا کہ اس بلڈنگ کے در و دیوار بول اٹھیں...یہ فلیٹ ہمارا ہے...کیوں جی...؟"

سب ہی نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہاں جی...!"

"اسے ہم نے سنوارا ہے کیوں جی...؟"

سب نے لقمہ دیا۔ "ہاں جی...!"

وہ پھر سے ناچنے گانے میں مگن ہو گئے۔ عورتیں کھڑکیوں اور دروازوں سے جھانک کر انہیں دیکھ رہی تھیں۔ بچے حیرت اور مسرت سے ان عجوبوں کا نظارہ کر رہے تھے۔ ڈھولک کی تھاپ پر کچھ سوچے سمجھے بغیر بے اختیار تھرک رہے تھے۔ ان کی مائیں انہیں پکڑ پکڑ کر لے جا رہی تھیں۔

اعتراض کرنے والے یونین آفس میں پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں کے جنرل سیکریٹری نے کہا۔ "آپ لوگوں کی شکایت درست ہے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر وہ کرایہ دار کی حیثیت سے پی جن ٹاور میں آتے تو مالکان سے بات کر کے انہیں نکلوایا جا سکتا تھا۔ مگر ان کی گرو ماں اس فلیٹ کی مالکن ہے۔ انہیں کیسے نکالا جا سکتا ہے؟"

ایک شخص نے کہا۔ "آپ انہیں نکال نہیں سکتے۔ ہم ان کے ساتھ رہ نہیں سکتے۔ ہم نے تعلیم یافتہ اور مہذب علاقوں میں کبھی اس مخلوق کو رہتے نہیں دیکھا۔ وہ ہماری سوسائٹی کا حصہ نہیں ہیں۔"

"نہیں ہیں۔ پھر بھی ہماری سوسائٹی سے الگ نہیں ہیں۔ وہ انسان ہیں اور انسانوں میں ہی رہتے ہیں۔"

یونین کے صدر نے کہا۔ "پسماندہ علاقوں میں ناچنے گانے اور چوراہوں پر بھیک مانگنے والے خسرے رہتے ہیں اور جو اچھا کماتے کھاتے ہیں' وہ ایسے مہنگے فلیٹوں میں اور گھروں میں آ کر آباد ہو جاتے ہیں۔"

ایک بڑے میاں نے ناگواری سے کہا۔ "ان کے دھندے کو آپ بھی جانتے ہیں' ہم بھی جانتے ہیں۔"

صدر نے کہا۔ "لیکن آپ شاید یہ نہیں جانتے کہ ان میں بھی اعلیٰ اور ادنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ جو اعلیٰ ہوتے ہیں' وہ غلط کام نہیں کرتے۔ شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات میں ناچتے گاتے ہیں۔ آپ نے کبھی سرکس کا نام سنا ہوگا۔ ایسے سرکسوں اور اسٹیج ڈراموں میں کام کرتے ہیں۔"

یونین کے سیکریٹری نے کہا۔ "کتنے ہی دولت مند ایسے ہیں' جن کے بیمار اور ناقابل علاج بچے سدا سہاگنوں کی دعاؤں سے نئی زندگی پاتے ہیں۔ ان کی دعاؤں سے گرتے ہوئے کاروبار کی ساکھ بحال ہو جاتی ہے۔ ایسے سرمایہ دار انہیں ماہانہ ایک معقول رقم ادا کرتے ہیں۔"

صدر نے کہا۔ "ہم میں سے کتنے ہی اچھے اور کتنے ہی برے ہیں۔ کیا ہم اپنے جیسوں کا محاسبہ کرتے ہیں...؟ اگر نہیں تو پلیز۔ انہیں بھی ان کے حال پر چھوڑ دیں۔"

ایک شخص نے کہا۔ "ہم آپ کی بات مانتے ہیں۔ ہم نے بھی سنا ہے' ایسی سدا سہاگنیں ہوتی ہیں۔ مگر آپ یہ ڈھول دھماکے سن رہے ہیں؟ بھلا ہم ایسے ماحول میں کیسے رہ سکیں گے؟"

سیکریٹری نے کہا۔ "وہ نئے فلیٹ میں آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ ہم نے انہیں سمجھا دیا ہے' وہ وقت بے وقت شور نہیں مچائیں گے۔"

ان کے درمیان دو گھنٹے تک بحث و تکرار ہوتی رہی۔ پھر اعتراض کرنے والے کسی حد تک قائل ہو کر وہاں سے چلے آئے۔ ایک کسٹم آفیسر نے سر جھٹک کر کہا۔ "بڑا عجیب سا لگ رہا ہے۔ جان پہچان والے کیا کہیں گے' ہم ہیجڑوں کے ساتھ رہتے ہیں؟ سچ پوچھو تو مجھے شرم آ رہی ہے۔"

یہ شرم بھی خوب ہوتی ہے۔ اسے جہاں آنا چاہئے وہاں نہیں آتی۔ تعجب ہے...وہاں رشوت کی گڈیوں کو ٹھوک کر گننے والا کسٹم آفیسر شرما رہا تھا...؟

دودھ میں پانی ملانے والا اس کمیونٹی میں لنگڑوں کی ملاوٹ پر احتجاج کر رہا تھا۔

جعلی ادویات فروخت کر کے بیماروں کو مزید بیمار بنانے اور انہیں موت کی دہلیز تک پہنچانے والا ان کی رہائش پر اعتراض کر رہا تھا۔

وہ بے چارے ادھر کے تھے نہ ادھر کے...وہ جعلساز بھی دین کا تھا نہ دنیا کا۔ مگر یہ انسانی فطرت ہے کوئی اپنا محاسبہ خود نہیں کرتا۔

ان کے درمیان آئندہ الیکشن میں حصہ لینے والا ایک امیدوار بھی تھا۔ وہ نئے ووٹروں کی انٹری پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ انگلیوں پر گن رہا تھا۔ وہ خسرے نہیں تھے۔ اس کے لئے قیمتی ووٹ تھے۔

اگر وہ مقابلے میں پانچ دس ووٹوں سے ہارنے والا ہوتا تو ان نئے ووٹروں کی آخری گنتی اسے فاتح بنا سکتی تھی۔ گویا وہ خسرے اس سیاسی مردے کو بیلٹ بکس کے تابوت میں اسمبلی تک پہنچا سکتے تھے۔

☆☆

جاذب نے سوچا تھا وہ کسی نہ کسی طرح مائلہ کو اپنی طرف مائل کرتا رہے گا۔ اسے کم از کم فون پر باتیں کرنے کے لئے مجبور کر دے گا۔ وہ بار بار لفٹ میں جا کر تحریری پیغام دیوار پر چپکا نہیں سکتا تھا۔ چوکیدار یا یونین والوں کی نظروں میں آنا نہیں چاہتا تھا۔

اب یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ ایک تفصیلی خط لکھ کر اسے ڈاک کے ذریعہ اس کے پاس پہنچائے۔ یہ سوچ کر اس نے بڑے پیار سے بڑے جذبے سے لکھا۔

"مائلہ ہم محبت کرنے والے خسارے میں ہیں۔ ہمیں ندی کے دو کنارے بنانے والے سکھ بچپن سے ہیں اور ان کی کامیابی میں سراسر تمہاری نادانی ہے۔ میں تمہیں الزام دے رہا ہوں۔ تم مجھ سے ناراض ہو۔ کچھ اور ناراض ہو جاؤ گی۔ لیکن سچ تو سچ ہی ہوتا ہے۔ تم یہ اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے ڈیڈی لیونارل ہیں۔ انہوں نے ایک بار بے تکے دلائل پیش کر کے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ جب ان کے دلائل کمزور پڑ گئے تو انہوں نے ایک جعلی دعوت نامہ چھپوا کر تمہیں مجھ سے متنفر کر دیا ہے۔ تم اپنی اس نادانی کو تسلیم کرو کہ ایک لیونارل شخص کو پہچان رہی ہو اور جاذب کو جھوٹا اور فریبی سمجھ رہی ہو۔

میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہا ہوں میں نے کسی سے شادی نہیں کی ہے۔ میری زندگی میں تم صرف تم ہی دلہن بن کر آؤ گی۔" اس نے اپنا نام اور فون نمبر لکھ کر اس خط کو ایک لفافے میں رکھا۔ رات ہو گئی تھی۔ دوسرے دن اسے پوسٹ کرنے کا ارادہ تھا۔ شاہ زیب نے کھانے کی میز پر پوچھا۔ "بھائی جان! آج آپ ہیڈ آفس کیوں نہیں آئے؟"

خان اعظم نے کہا۔ "برخوردار کی نظروں میں بزنس کی اہمیت نہیں ہے۔ عشق اہم ہے۔"

جاذب نے کہا۔ "آپ ہی کی ضد نے عشق کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ لندن آفس سے رپورٹ آئی ہے مال ابھی تک وہاں نہیں پہنچا ہے۔ جس جہاز میں ہمارا کنٹینر تھا اسے عدن پورٹ پر روک دیا گیا ہے۔"

جاذب نے چھوٹے بھائی سے پوچھا۔ "کیوں روک دیا گیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے خبر ملی ہے۔ ہم پریشان ہیں۔ اوور سیز کے معاملات آپ ڈیل کرتے ہیں۔ آپ معلوم کریں۔"

وہ کھانا چھوڑ کر معلومات حاصل کرنے لگا۔ یہ معلوم ہوا کہ وہ جہاز جب عدن پہنچا تو اس میں سفر کرنے والے ایک اسمگلر کو گرفتار کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اسمگلنگ کا مال بھی برآمد ہو رہا ہے۔ لہٰذا قانونی کارروائی کے لئے جہاز کو روک لیا گیا ہے۔

جاذب نے فون بند کر کے کہا۔ "پتہ نہیں کب تک جہاز کو وہاں روک کر رکھا جائے گا۔ ہم لندن کی پارٹیز کو معاہدے کے مطابق مال کی ڈیلیوری نہیں دے سکیں گے۔"

خان اعظم نے پوچھا۔ "نتیجہ کیا ہوگا؟ ہمیں کروڑوں کا نقصان ہوگا۔ تم سے کہا تھا کہ وہاں مزید قیام کرو۔ مگر اس لڑکی کے چکر میں بھاگ کر یہاں چلے آئے۔"

"آپ ٹینشن نہ لیں۔ میں وہاں کے معاملات سنبھال لوں گا۔"

"یہاں بیٹھ کر نہیں سنبھالو گے۔ کل ہی کسی فلائٹ سے وہاں جاؤ۔"

اچانک اس کے اعصاب کھنچ گئے۔ وہ روٹھی ہوئی محبوبہ کو منانے کے مرحلوں سے گزر رہا تھا۔ امید تھی کہ وہ جلد ہی مان جائے گی۔ اب یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ منانے کا سلسلہ منقطع ہوگا تو ناکامی پھر منہ چڑائے گی۔

اس نے کہا۔ "لندن جانا ضروری نہیں ہے۔ میں یہیں سے معاملات نمٹا لوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔ گھر میں بیٹھ کر کروڑوں کا نقصان پورا کرنے کی احمقانہ باتیں نہ کرو۔"

شاہ زیب نے کہا۔ "بھائی جان! جنہیں معاہدے کے مطابق مال نہیں ملے گا' وہ ہم سے بدظن ہو جائیں گے۔ آپ ان کے پاس جائیں گے تو انہیں تسلی ہوگی۔ وہ ہم پر اعتماد کریں گے۔ پلیز آپ کاروباری اصولوں کو نظر انداز نہ کریں۔"

اس نے مزید بحث نہیں کی۔ یو کے کی مارکیٹ کو وہی آپریٹ کرتا تھا۔ اس کا جانا ضروری تھا۔ اور جانے کا مطلب تھا مائلہ سے دوری...

اس نے سر پکڑ لیا۔ ایسے وقت تقدیر کو ماننا پڑتا ہے۔ وہ کارآمد تدابیر کے باوجود مائلہ تک پہنچنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ ان کا مکمل ملاپ ابھی خدا کو منظور نہیں ہے۔

وہ دوسری صبح گھر سے نکلا۔ ارادہ تھا کہ ڈاک خانہ جا کر خط پوسٹ کرے گا۔ پھر خیال آیا اگر یہ وہ خط مائلہ کے باپ یا بھائی کے ہاتھوں میں دے گا تو بنتے والی بات بگڑ جائے گی۔ اس خط کو جلا دیا جائے گا۔ مائلہ اسے پڑھ نہیں پائے گی۔

وہ خود اس فلیٹ میں جا نہیں سکتا تھا۔ کوئی تیسرا ہاتھ ہی اس کی مشکل آسان کر سکتا تھا۔ عقل سمجھا رہی تھی کسی غریب محتاج کو معقول رقم دے کر خط کو سیدھا مائلہ کے ہاتھوں میں پہنچایا جائے۔

اس نے پی جن ٹاور کے سامنے آ کر گاڑی روک دی۔ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھا رہا۔ کسی ایسے غریب محتاج کو تلاش کرنے لگا جو سو دو سو لے کر اس کے کام آ سکے۔ دل نے کہا ابھی مائلہ بھی آ سکتی ہے۔

اس نے بڑے جذبے سے سوچا' وہ آجائے تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ میں اس کا راستہ روک لوں گا اور اس خط کو اپنے دل کی طرح اس کے قدموں میں رکھ دوں گا۔

اس نے ونڈ اسکرین کے پار دیکھا' دو خسرے مٹکتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ قریب ہی ایک دکان میں جا کر کچھ خرید رہے تھے۔ جاذب نے سنا تھا کہ پی جن ٹاور کے تیسرے فلور پر وہ مخلوق آ کر آباد ہو گئی ہے اور مائلہ بھی اسی فلور میں رہتی تھی۔

ایک خیال آیا کہ کسی خسرے کو ڈاکیہ بنایا جائے۔ یہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ پانچ سو کا ایک نوٹ دیا جائے تو یہ سر کے بل مائلہ تک خط پہنچائیں گے۔

وہ کھڑکی کے پار انہیں دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ ان سے کام لینے کے لئے انہیں مخاطب کرنا ہوگا۔ ان کے پاس جانا ہوگا یا انہیں اپنے پاس بلانا ہوگا۔ دونوں صورتوں میں بدنامی ہوتی۔ دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ مہنگی کار والے بھی ان سے تعلق رکھتے ہیں۔

جاذب نے کانوں کو ہاتھ لگا کر زیر لب کہا۔ "مفت میں بدنامی مول لینے والی بات ہوگی۔ پھر یہ کہ انہیں راز دار بنایا تو گلے پڑ جائیں گے۔ آتے جاتے چھوٹے بڑے نوٹ مانگتے رہیں گے۔"

وہ مایوس ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ آج ہی دوپہر کی فلائٹ سے جانا تھا۔ اگر ابھی وہ خط نہ پہنچاتا تو پھر نہ جانے لندن سے کب واپسی ہوتی۔ اسے ابھی اسی وقت کچھ کر گزرنا تھا۔

پھر اس نے چونک کر دیکھا۔ تتلی اچھلتی کودتی چلی آ رہی تھی۔ اس نے فوراً ہی کار سے نکل کر اسے آواز دی۔ "تتلی...!"

وہ ایک دکان میں جاتے جاتے رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا پھر خوش ہو کر دوڑتی ہوئی آئی "ارے جاذب بھائی! آپ...؟ آپ کہاں چلے گئے تھے۔ کتنے دنوں کے بعد نظر آ رہے ہیں۔"

"میں کاروبار میں مصروف رہتا ہوں۔ اس لئے ادھر نہ آ سکا۔"

"جھوٹ نہ بولیں۔ میں سب جانتی ہوں۔ مائلہ باجی سے ناراضگی ہے۔ اسی لئے نہیں آتے ہیں اور اسی لئے فلیٹ میں نہیں آ رہے ہیں۔ باہر کھڑے ہیں۔"

وہ اس کی ٹھوڑی کو چھو کر بولا۔ "میری گڑیا! ناراض میں نہیں ہوں۔ تمہاری مائلہ باجی ہیں۔ میں ان کو منانا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرا ایک کام کرو گی؟"

"میں سمجھ گئی مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

اس نے حیرانی سے کہا۔ "میں نے کام نہیں بتایا اور تم سمجھ گئیں۔ تعجب ہے۔"

"تعجب کی کیا بات ہے آپ بھی اسٹار پلس کے ڈرامے دیکھتے ہوں گے۔ کل رات والے ڈرامے میں ہیرو ایک بچی کے ہاتھ سے ہیروئن کو خط بھیجتا ہے۔ بس آپ بھی یہی کرنا چاہتے ہیں۔"

جاذب کا منہ شدید حیرانی سے کھلا رہ گیا۔

جاذب نے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر کہا۔ "یہ کھوپڑی تمہاری عمر سے آگے بھاگ رہی ہے۔ بولو کتنی ٹافیاں کھاؤ گی؟"

"اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ ٹافیاں نہیں آئسکریم کھاتی ہوں۔"

وہ سو کا ایک نوٹ دیتے ہوئے بولا۔ "کیا آئسکریم کے لئے کافی ہیں؟"

اس نے خوش ہو کر سر ہلایا پھر کہا۔ "آپ خط لکھیں۔ میں آئسکریم کھا کر آتی ہوں۔"

اس نے ایک لفافہ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اس میں خط ہے۔ وعدہ کرو کسی کے ہاتھ نہیں لگنے دو گی۔ اسے مائلہ کے ہاتھ میں پہنچاؤ گی۔"

وہ حلف برداری کے طور پر لفافے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "میں حاضر و ناظر جان کر قسم کھاتی ہوں۔ پوری ایمانداری سے مائلہ باجی کے ہاتھ میں پہنچاؤں گی۔"

جاذب نے ہنستے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔ اس نے لفافے کو بغل میں چھپایا پھر وہاں سے اچھلتی کودتی جانے لگی۔ وہ مطمئن ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ تتلی نے اس کی بہت بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ وہاں سے چلا آیا۔

(جاری ہے)